مجموعۂ مضامین _ جلد ۱

- ایک ہاتھ میں تلوار ایک ہاتھ میں قرآن
- فرضیت خلافت اور اس کا نبویؐ طریقہ
- امت مسلمہ کا عروج و زوال

مرتب کردہ : امیر حمزہ

ٹیلی گرام چینل : نظامِ اسلام بمقابلہ نظامِ باطلہ

t.me/medbh

یہ مضامین مجلہ نوائے افغان جہاد کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔

ایک ہاتھ میں تلوار، ایک ہاتھ میں قرآن......!

استاد احمد فاروق

تمام تعریف اس رب کے لیے جس نے ہمیں مسلمان بنایا!

الحمدللہ، اللہ رب العزت نے ہمیں مسلمان بنایا، ایمان جیسی انمول نعمت ہمیں عطا فرمائی، اپنی ذاتِ عالی کی معرفت، اپنے انبیاء علیہم السلام کی پہچان اور روزِ قیامت کا یقین ہمارے سینوں میں پیوست کیا اور جہالت وگمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہمیں دینِ اسلام کے نور سے منور فرمایا۔ اللہ رب العزت کے اس فضل واحسان پر اس کی جتنی حمد بھی بجالائی جائے کم ہے۔ اگر رب تعالیٰ ہم پر یہ احسان نہ فرماتے، ہمارے دلوں کو ہدایت پر نہ جماتے تو ہم بھی ان کروڑوں، اربوں انسانوں کی طرح ہو سکتے تھے جنہیں خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانوروں سے بدتر اور چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اگر رب کا فضل نہ ہوتا تو ہم بھی آج......:

☆ یا تو عیسائیوں کی مانند تثلیث کے لغو وشرکیہ عقیدے کے حامل ہوتے، ہر ماہ وسال کے ساتھ بدلتی انجیلِ محرفہ کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ کلامِ الٰہی قرار دیتے، انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں، حتیٰ کہ اللہ جل جلالہ تک کے فرضی مجسمے اور تصاویر بنا کر، انہیں کلیسا میں آویزاں کر کے، موسیقی کی دھن پر مصروفِ مناجات ہوتے ...... اور بدترین گناہوں کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی مطمئن ہوتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے ہی صلیب چڑھ کر ہمارے گناہ بخشوا چکے ہیں!

☆ یا ہم یہودِ بے بہبود کی طرح عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا گردانتے، براہِ راست جنابِ باری تعالیٰ میں گستاخی کرتے ہوئے کہتے کہ ''اللہ فقیر ہے اور ہم غنی''، فخریہ دعویٰ کرتے کہ ''ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم، اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے''، اللہ کے فرشتوں بالخصوص جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن قرار دیتے، اپنی کتب میں انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسے گستاخانہ اور اخلاق سوز واقعات منسوب کرتے کہ ان کا تذکرہ کرنے سے بھی زبان لرزے اور روح کانپ اٹھے......اور ان سب شیطانی، کفریہ عقائد پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو اللہ کی چنیدہ اور محبُوب ترین قوم اور ابراہیم علیہ السلام کے لائے ہوئے دینِ توحید پر عامل سمجھتے!

☆ یا ہم ہندوؤں کی مانند کسی مندر میں دیوی، دیوتاؤں، انسانوں، ستاروں، سیاروں حتیٰ کہ گائے، بندروں اور چوہوں تک کے بت تراش کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے، انہی سے لپٹ لپٹ کر دعائیں مانگتے، انہیں الٰہی اختیارات کا حامل سمجھتے، مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کی عزتیں پامال کرنے کو اپنے دیوتاؤں کے تقرب کا باعث مانتے، اپنے مردوں کی لاشیں جلا جلا کر دریا میں ڈالتے اور اس غلیظ پانی میں نہانے کو گناہوں کی معافی اور بتوں کی رضا پانے کا ذریعہ جانتے اور ایسی ہی ان گنت خرافات ونجاسات سے آلودہ قلوب لیے اپنے شب وروز گزار رہے ہوتے۔

☆ یا ہم دہریوں کی طرح سرے سے رب کے وجود کا ہی انکار کرتے، آخرت کے آنے کو محال سمجھتے، انبیاء علیہم السلام کی رسالت اور ان کی لائی ہوئی آسمانی کتب کے منکر ہوتے اور امورِ غیب کو تمسخر واستہزا کا نشانہ بناتے۔

☆ یا ہم جدید مغربی فکر وفلسفے سے متاثر ملحد وزندیق مصنفین ومفکرین کی طرح وحی کا در پردہ انکار کرتے اور (شرعی احکامات سے) ''آزادی''، (کافر ومسلم کے مابین) ''مساوات'' (کفر کی ہمہ گیر حاکمیت تلے) ''امن''، (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شعائرِ دین کی توہین پر) ''تحمل وبرداشت''، (عافیہ صدیقی جیسی عفت مآب بہنوں کے مسئلے پر) ''رواداری'' اور (برقعے اور میناروں پر پابندی لگانے والی) ''روشن خیالی'' کی طرف دعوت دے رہے ہوتے......اور یوں شعوراً یا لاشعوراً ایمان کی سرحدیں پھاند کر کفر میں داخل ہو چکے ہوتے!

اعاذنا اللہ من ذلک!

جی ہاں! اس نام نہاد ''مہذب'' اور ''سائنسی'' دور میں آنکھیں کھولنے کے باوجود بھی، انسانیت آج کفر وشرک کی اتنی کثیر وقبیح انواع میں مبتلا ہے جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ درج بالا سطور میں ہم نے کفر وشرک پر مبنی ان ادیانِ باطلہ میں سے محض چند کی طرف اشارہ کیا ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ بت پرستی وقبر پرستی جیسی قدیم انواعِ شرک سے لے کر مغربی فکر وفلسفے سے پھوٹنے والے جدید ملحدانہ، کفریہ تصورات تک، سب آج کی اس دنیا میں رائج ہیں۔

اکیسویں صدی......علم وتہذیب کی بلندی یا شرک وجہل کی اتھاہ گہرائی؟

آج، تمام تر دنیاوی اسناد کے حصول اور آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے ''اعلیٰ تعلیمی اداروں'' سے فراغت کے باوجود بھی جب یورپ، امریکہ، لاطینی امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ یا روس کا کوئی باشندہ کسی کلیسا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (نعوذ باللہ) خود ساختہ مجسمے کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا اور مصروفِ دعا ہوتا ہے تو ہم ششدر رہ جاتے ہیں! ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا''!(''قریب ہے کہ آسمان اس بات سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں'')! پھر جب اسی ''روشن خیال'' دنیا کا کوئی باسی بھارت یا نیپال کے کسی مندر میں کسی پتھر کے بت کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے...... جب کوئی افریقی قبیلہ افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں چاند ستاروں کو پوجتا اور ان سے حاجتیں مانگتا نظر آتا ہے...... جب جاپان، تبت، تھائی لینڈ اور برما میں بدھ مذہب کے پیروکار اگلے جنم میں کوئی جانور یا کیڑا مکوڑا بننے سے بچنے کے لیے مختلف بے سروپا مراسمِ عبودیت کے ذریعے ''مقدس روحوں'' کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... جب چین کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصّہ کتے بلیاں کھانے پر پابندی کی تجویز مسترد کرتے ہوئے سراپا احتجاج ہوتا ہے...... جب سکھ مذہب کے پیروکار غسل نہ کرنے اور بال نہ کٹوانے جیسے خلافِ فطرت امور کو عبادت سمجھ کر اپناتے ہیں اور ''گرونانک'' کو مرتبۂ خدائی پر فائز کرتے ہیں...... جب مغرب کے کفریہ فکر وفلسفے سے متاثر ہو کر عیسائی، یہودی، ہندو اور مسلمان خاندانوں میں آنکھ کھولنے والے لوگ، پس منظر کے

اختلاف کے باوجود، عقلِ انسانی کی خدائی اور خواہشاتِ نفس کی حاکمیت قبول کرتے ہیں.....تو ہم یقیناً جاہلیّت کی یہ ساری قدیم وجدید صورتیں دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں!

افسوس کہ جس صدی کو انسان اپنی علمی ترقی کا نکتۂ عروج سمجھ رہا تھا، اسی صدی میں وہ کفر و شرک اور جہالتِ خالصہ کی ایسی پستیوں میں جا گرا جس کا تصور بھی پہلے مشکل تھا! یہ سوچ کر ہی دل غم گرفتہ ہو جاتا ہے کہ آج اربوں انسان، بلکہ بنی نوع انسان کی غالب اکثریت ان مہلک رستوں پر رواں دواں ہمیشگی کی جہنّم کی سمت بڑھ رہی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

انسانیت کی نجات کی واحد راہ......اسلام!

جاہلیّت کی ان جدید وقدیم صورتوں میں ڈوبی انسانیت کے درمیان اگر کوئی امید کی کرن ہے تو وہ یہ امتِ مسلمہ ہی ہے۔ آج، پہلے سے کہیں بڑھ کر یہ امر ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے آخری نبی کے وارث اور اللہ کی نازل کردہ آخری آسمانی کتاب کے حامل ہیں۔ ''توحید'' اگر اپنی خالص شکل میں موجود ہے تو ہمارے پاس...... ''حق'' اگر باطل کے ہر شائبہ سے پاک کہیں پایا جاتا ہے تو ہمارے پاس......زندگی کے ہر ہر گوشے پر رہنمائی دینے والی جامع و کامل ''ہدایت'' اگر کہیں دستیاب ہے تو ہمارے یہاں...... ''فلاح'' (دنیوی واخروی) کا نسخہ اگر کسی کو عطا کیا گیا ہے تو ہمیں......اللہ رب العزت ہمیں اس عظیم نعمت پر قائم رکھے اور اس کی قدر پہچاننے کی توفیق دے! اللہ جل جلالہ نے ''دینِ اسلام'' کی صورت میں ہمیں یہ عظیم انعام عطا فرمایا ہے۔ اس دین کے سوا اب اللہ کے دربار میں کوئی دین قبول نہیں! اس سے ہٹ کر کیے جانے والا ہر عمل مردود ہے، خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی خوشنما کیوں نہ ہو! اس سے متصادم ہر فکر وعقیدہ باطل ہے، خواہ اس کے ماننے والے کروڑوں ہی کیوں نہ ہوں! اس کے سوا جو کچھ ہے، جاہلیّت وجہالت ہے؛ اس کی اتباع بیوقوفی وحماقت ہے......چاہے تمام عقلائے عالم اس کے درست وصواب ہونے پر مہرِ تصدیق ہی کیوں نہ ثبت کر دیں! پس اب آخرت میں رب کی رضا پانا اور دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرنا صرف اور صرف شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ذریعے ممکن ہے!

ہمیں ''امتِ وسط'' اور ''بہترین امت'' کیوں کہا گیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنا، آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو اور حضراتِ ابراہیم و اسماعیل، داؤد و سلیمان، موسیٰ وعیسیٰ (علیہم صلوات اللہ وسلامہ) کے پیغامِ توحید کو دنیا میں عام کرنا، کفر میں ڈوبے انسانوں کو ایمان سے روشناس کرانا، جہنّم کی راہ پر چلنے والوں کو جنت کی طرف بلانا اب اسی امت کا فریضہ ہے۔ تمام انسانیت......خواہ وہ بھارت میں ریڑھی لگانے والا کوئی ان پڑھ ہندو ہو؛ یا کسی امریکی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند کا حامل عیسائی مفکر......سب شریعت کی نگاہ میں جاہلِ مطلق ہیں! ان ''ان پڑھ'' اور ''اعلیٰ تعلیم یافتہ''، ''غیر مہذب'' اور ''مہذب''...... ہر طرح کے جہلاء پر ترس کھانا، انہیں جہنّم کا ایندھن بننے سے بچانا، قلب پر ان سب کی ہدایت کی فکر طاری کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے قلوب میں بھی قلبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجزن ان جذبات کا کچھ عکس نظر آنا چاہیے جن کا نقشہ قرآن ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا﴾ (الکھف: ٦)

''سو شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دیں اگر وہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائیں''۔

پس امتِ مسلمہ کا اصل کام یہی ہے کہ وہ شریعت کے جملہ احکام پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو، دنیا کی سیادت و رہنمائی کا منصب سنبھالے، گمراہ انسانیت کو راہِ راست کی طرف بلائے، خالق و مالک کا تعارف کرائے، اسی کی اطاعت وعبادت کی دعوت دے، معروف ومنکر کی پہچان عام کرے، معروف کا حکم دے، منکر سے روکے اور رب کی زمین پر رب کی شریعت نافذ کرے۔ یہی وہ عظیم شرف اور بھاری ذمہ داری ہے جس کا تذکرہ قرآنِ کریم ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿كُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ١١٠)

''تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے بھیجی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''

جب کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡكُمۡ شَهِیۡدًا﴾ (البقرۃ: ١٤٣)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم انسانوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دیں''۔

عصرِ حاضر کے انسان کو ''اللہ'' کی طرف بلانا ہمارے ہی ذمے ہے

پس انسانیت جس طرح کل اس بات کی محتاج تھی کہ اسے وحی کی روشنی میسر آئے، اسی طرح وہ آج بھی اس کی محتاج ہے۔ جیسے کل انبیائے کرام نے ''اُعۡبُدُوا اللّٰهَ'' (اللہ ہی کی عبادت کرو)، ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ'' (اللہ سے ڈرو)، ''فَفِرُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ'' (اللہ کی طرف دوڑو) اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی صدا عام کی تھی، ویسے ہی یہ صدا عام کرنے کی ضرورت آج بھی قائم ہے۔ وحی سے محروم انسانیت آج بھی اتنی ہی تہی دامن ہے جتنی وہ کل تھی......اور جیسے کل اس کی ہدایت وفلاح کا کل سامان اللہ تعالیٰ کے احکامات میں پوشیدہ تھا، ویسے ہی آج بھی یہ سامان کہیں اور سے ڈھونڈنے کی سعی لاحاصل ثابت ہوگی۔

''جہاد فی سبیل اللہ'' بھی ''دعوت الی اللہ'' کے لیے فرض کیا گیا

الغرض ہمارا اصل کام تو یہی ہے کہ ہم اللہ جل شانہٗ کی عبادت کریں، شریعت کی اتباع کے ذریعے اسے راضی کرنے کی سعی کریں اور باقی انسانیت کو بھی اسی دینِ متین اور نورِ مبین کی طرف بلانے میں اپنی زندگیاں کھپائیں۔ جہاد وقتال بھی ہم پر اسی لیے فرض کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو کر ہر کفر وشرک مٹانے اٹھیں، اللہ کے باغیوں کی قوت وشوکت خاک میں ملائیں اور انسانیت کو غیر اللہ کی بندگی وغلامی سے نکال کر اللہ جل جلالہ کی بندگی میں داخل کریں۔ چنانچہ جب رستم نے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ:

(بقیہ صفحہ ١٦ پر)

تجربہ رکھنے والے لوگ، اور اسی طرح اہلِ قلم، شعراء، ادباء؛ سب کو میدان میں آگے بڑھ کر صلیبی دشمن کی پھیلائی ہوئی افواہوں اور من گھڑت کہانیوں کی تردید کرنی چاہیے۔ انہیں علم پر عمل کرنے کی اور ایک صف میں کھڑے ہونے کی ضرورت ہے...... بالکل جس طرح مغرب مسلمانوں کے خلاف کر رہا ہے۔ مسلم علما کو ہمیشہ حق بات کہنی چاہیے اور پھر اس پر عمل پیرا بھی ہونا چاہیے، اور مجاہدین کے حق میں فتوے دینے چاہئیں۔ باہم آپس کے جزوی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کے لیے کام کرنا چاہیئے۔ باہم متحد ہو کر مسلمانوں کی (فکری) بیداری کی کوششیں کرنی چاہئیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمين و الصلوة والسلام على نبينا محمد، افضل الصلوة والتسليم.

☆☆☆☆☆

بقیہ: باطل کی عسکری اور فکری یلغار، تاریخ کے آئینے میں

دوسو سال تک ان پے در پے شکستوں کے بعد ''لوئس'' جو فرانس کا بادشاہ تھا اور آخری صلیبی جنگ میں صلیبیوں کی قیادت کر رہا تھا، ''المنصورہ'' میں صلیبیوں کی شکست کے بعد گرفتار ہو گیا، مگر مسلمانوں نے فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیا، جب وہ فرانس پہنچا تو اس نے برملا یہ کہا کہ ''تلوار اور ہتھیار کی طاقت سے مسلمانوں کو کبھی زیر نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ان کا عقیدہ ایمان انتہائی مضبوط ہے جو انہیں ہمیشہ جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور وہ دین کی خاطر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ اب ہم اپنے اس طریقہ کو بدلیں اور کوئی ایسا طریقہ اپنانے کی کوشش کریں جس سے ان کے عقیدہ راسخہ پر زد آئے، ان کا ایمان کمزور اور متذبذب ہو جائے۔'' پھر اس نے چند تجاویز پیش کیں، جو یہ ہیں:

سب سے پہلے ہمیں اسلامی فکر اور عقیدہ پر ضرب کاری لگانے کی ضرورت ہے، جس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اسلام کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

اسلام کے مطالعہ کی غرض صرف یہ ہو کہ اس میں تحقیق اور ریسرچ کے نام پر اعتراضات کیے جائیں اور مسلمانوں کو اپنے عقیدے کے سلسلے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا جائے۔

اس طرح صلیبی جنگ نے پانسا پلٹا اور نئی کروٹ لی اور ''عسکری میدان'' سے ''فکری میدان'' کی طرف جنگ کا رخ کر دیا گیا، اس کے لیے انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور پھر قرآن، احادیث مبارکہ اور دیگر اسلامی علوم کو اپنی زبانوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا اور پھر ''استشراق'' کے نام پر مستقل ایک تحریک وجود میں آئی، جس نے مشرقی لسانیات، مذاہب وعلوم پر تحقیق کے لبادے میں اسلام پر زوردار حملے کا آغاز کر دیا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: ایک ہاتھ میں تلوار، ایک ہاتھ میں قرآن......!

''**ما الذيجاء بكم**''؟

''کیا چیز تمہیں (ہم پر حملے کے لیے) لے کر آئی ہے''؟

تو آپؓ نے کمال جرأت واعتماد کے ساتھ دشمن کے دربار میں کھڑے ہو کر، ان کے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے، یہ تاریخی جواب دیا...... جو جہاد کی غرض وغایت پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے اور جس کا لفظ لفظ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبا محسوس ہوتا ہے:

''**اللّٰہ ابتعثنا واللّٰہ جاء بنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة اللّٰه، ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام، فأرسلنا بدينه إلى خلقه لندعوهم إليه، فمن قبل منا ذلک قبلنا منه ذلک ورجعنا عنه وتركناه وأرضه يليها دوننا، ومن أبى قاتلناه أبدًا حتى نفضي إلى موعود اللّٰه**''۔

''ہمیں اللہ نے اٹھایا ہے اور اللہ ہی ہمیں یہاں لے کر آیا...... تاکہ جسے وہ چاہے، اسے ہم انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعتوں سے ہمکنار کریں اور ادیانِ باطلہ کے ظلم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل سے روشناس کرائیں۔ پس اللہ نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کے پاس بھیجا تاکہ ہم انہیں اللہ کی طرف بلائیں۔ پھر جو کوئی ہماری یہ دعوت قبول کر لے ہم بھی (اس کا اسلام لانا) قبول کر لیتے ہیں اور اسے گزند پہنچائے بغیر واپس لوٹ جاتے ہیں اور وہ خود ہی اپنی زمین پر ہمارے (دین کے) تحت نظام چلاتا رہتا ہے۔ لیکن جو یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کرے، ہم اس سے تاابد قتال کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہم اللہ کے وعدے کو جا پہنچیں۔''

رستم نے پوچھا: ''**وما موعود اللّٰه**''؟

''اللہ نے کیا وعدہ کر رکھا ہے''؟

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**الجنة لم مات على قتال من أبى، والظفر لمن بقي**''۔

''جنت، ان کے لیے جو منکرین کے خلاف قتال کرتے ہوئے مارے جائیں...... اور فتح، ان کے لیے جو باقی رہیں''۔

(تاريخ الطبري: الجزء الثاني)

پس انسانیت کو اللہ سے ملانا اور جہنم لے جانے والی مہلک راہوں سے ہٹا کر تنہا اللہ کی عبادت و بندگی میں داخل کرنا ہی جہاد کا اصل مقصد ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے جہاد کیا۔ ان کا جہاد دفاعی ہو یا اقدامی، ہر دو صورت میں اس کا حتمی مقصد اور آخری غایت اللہ کے دین کی سربلندی، شرک کو مٹانا اور توحید کو عام کرنا ہی رہا ہے۔ ان کے جہاد کا آغاز اگر کسی ظلم کے مداوے، کسی قیدی کی رہائی، کسی زمین کی بازیابی یا کسی حملہ آور کو پچھاڑنے سے بھی ہو، تو اس کی انتہا ہمیشہ ''اعلائے کلمۃ اللہ'' ہی پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی جہاد کی برکتوں سے روم وفارس کی سلطنتیں زیر ہوئیں اور یورپ، افریقہ، خراسان، ہندوستان اور ماوراء النہر کے علاقوں تک توحید کا پیغام پہنچا اور اسے زمین پر بالفعل غلبہ نصیب ہوا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

(دوسری قسط)

ایک ہاتھ میں تلوار، ایک ہاتھ میں قرآن......!

استاد احمد فاروق

ہر داعی......مجاہد بن جائے

پس ہر داعی کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگر وہ واقعتاً دل میں یہ تڑپ رکھتا ہے کہ گمراہی و جہالت میں ڈوبی انسانیت تک وہی دعوت پہنچائے جو انبیائے کرام لے کر آئے تھے: یعنی توحید اختیار کرنے کی دعوت، شرک سے برأت کی دعوت، اتباعِ شریعت کی دعوت، جنت کی طرف لپکنے کی دعوت، جہنّم سے بچنے کی دعوت......تو اسے جہاد وقتال کی راہ ضرور اختیار کرنا ہوگی۔ تلوار میں اللہ جل جلالہ نے غیر معمولی دعوتی تاثیر رکھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''بعثت بين يدي الساعة بالسيف حتىٰ يعبد الله وحده لا شريك له''۔

''مجھے قیامت سے پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہے یہاں تک کہ تنہا اللہ کی عبادت کی جانے لگے جس کا کوئی شریک نہیں''۔

(مسند أحمد: ۴۸۶۹، صحيح الجامع: ۲۸۳۱)

امام ابوالفرج ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''يعني أن الله بعثه داعيًا إلى توحيده بالسيف بعد دعائه بالحجة، فمن لم يستجب إلى التوحيد بالقرآن والحجة والبيان، دعي بالسيف''۔

''یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار سے توحید کی دعوت دینے بھیجا، اس کے بعد کہ آپ زبانی دعوت پہنچا دیں۔ پس جس شخص نے قرآن، (شرعی) دلائل اور لسان و بیان سے دی گئی دعوت قبول نہ کی، اسے تلوار سے دعوت دی گئی''۔

(الحِكَم الجديرة من قول النبي صلى الله عليه و سلم: ''بعثت بين يدي الساعة بالسيف''، لإبن رجب الحنبلي، ص: ۱)

پھر امام ابنِ رجب بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی دعوت پہنچانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ(۶) تلواریں دے کر بھیجا:

۱۔سيف على المشركين (مشرکین پر مسلط تلوار)

۲۔سيف على أهل الكتاب (اہلِ کتاب پر مسلط تلوار)

۳۔سيف على المنافقين، وهو سيف الزنادقة (منافقین یعنی زنادقہ پر مسلط تلوار)

۴۔سيف على أهل البغي (باغیوں پر مسلط تلوار)

۵۔سيف على أهل الردة (مرتدین پر مسلط تلوار)

۶۔سيف على المارقين، و هم أهل البدع كالخوارج (خوارج جیسے گمراہ بدعتی فرقوں پر مسلط تلوار)

(الحِكَم الجديرة من قول النبي صلى الله عليه و سلم: ''بعثت بين يدي الساعة بالسيف''، لإبن رجب الحنبلي، ص: ۲)

اسی طرح امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''القتال ما فرض لعينه بل للدعوة إلى الإسلام، والدعوة دعوتان، دعوة بالبنان، وهي القتال، ودعوة بالبيان، وهو اللسان، وذلك بالتبليغ''۔

''قتال محض جنگ وجدل کے لیے نہیں فرض کیا گیا بلکہ اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے فرض کیا گیا ہے، اور دعوت دو طرح کی ہوتی ہے: تلوار سے دعوت یعنی قتال؛ اور لسان و بیان سے دعوت یعنی تبلیغ''۔

(بدائع الصنائع: ص ۱۰۰، فصل في بيان ما يجب على الغزاة الإفتتاح بها)

نیز امام ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وبعثه الله تعالىٰ-يعني النبي صلى الله عليه وسلم-بالكتاب الهادي والسيف الناصر بين يدي الساعة حتى يعبد سبحانه وحدهٗ لا شريك له، وجعل رزقه تحت ظل رمحه وسيفه......فإن الله سبحانه أقام دين الإسلام بالحجة والبرهان والسيف والسنان، كلاهما في نصره أخوان شقيقان''۔

''اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت سے قبل ہدایت دینے والی کتاب اور نصرت کرنے والی تلوار دے کر بھیجا یہاں تک کہ تنہا اللہ وحدہٗ لا شریک ہی کی عبادت کی جانے لگے۔ اور اللہ نے آپ کا رزق آپ کے نیزے و تلوار کے سائے میں رکھا......پس اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو دلائل و براہین اور شمشیر و سناں کے ذریعے قائم فرمایا، اور یہ دونوں (یعنی قرآن اور تلوار) دین کی نصرت میں دو سگے بھائیوں کی طرح (باہم جڑے ہوئے) ہیں''۔

(الفروسية، ص: ۱۸)

مذکورہ بالا حدیث اور اقوالِ علما سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تلوار محض ایک ''آلۂ قتل و قتال'' ہی نہیں، انتہائی مؤثر ''وسیلۂ دعوت'' بھی ہے! زبان کے ساتھ ساتھ تلوار سے بھی دعوت دینا اللہ کا حکم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مبعوث ہی

تلوار دے کر کیا گیا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص تلوار تھامے بغیر ہی آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی داعیانہ سیرت کا حقیقی وارث کہلا سکے؟ قرآن اور تلوار تو سگے بھائیوں کی طرح باہم لازم وملزوم ہیں۔ شریعتِ الٰہی ہمیں ایسے ہی داعی کا تصور دیتی ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو تو دوسرے میں تلوار...... اور جو ''لسان و بیان'' اور ''شمشیر وسنان'' دونوں ہی سے دعوت دیتا ہو۔

تلوار سے دعوت کیسے پھیلتی ہے؟

اس امت کو پہلی مرتبہ جہاد کی اجازت مدینہ میں ملی۔ بعد میں اترنے والی آیات نے اس ''اجازت'' کو ''حکم'' میں تبدیل کر دیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ امت جہاد کی غیر معمولی دعوتی برکات اور لوہے کے عظیم الشان منافع کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ جہاد کی برکات ہی سے ''یدخلون في دين الله أفواجًا'' کا سماں پیدا ہوا...... اور ترکِ جہاد کے نتیجے میں نہ صرف کفار کا اسلام میں داخل ہونا کم ہوتا گیا، بلکہ الٹا مسلمانوں میں کفر و الحاد اور زندقہ و ارتداد کے امراض پھیلنے لگے۔

الحمدللہ آج ہم ایک مرتبہ پھر پوری امت کی سطح پر ایک جہادی بیداری دیکھ رہے ہیں۔ آج افغانستان، عراق، شیشان، صومالیہ، یمن، الجزائر، کشمیر، فلپائن، فلسطین اور پاکستان وغیرہ میں جہادی تحریکات جڑیں پکڑ چکی ہیں۔ امت میں جہاد زندہ ہوتے ہی اس کی دعوتی برکات بھی نمایاں ہونے لگی ہیں۔ ذیل میں ہم چند نکات اور مثالوں کے ذریعے یہ واضح کریں گے کہ جہاد کے ذریعے آج دعوتِ دین کیسے عام ہو رہی ہے:

۱۔ جہاد...... غافل مسلمانوں کی ہدایت کا دروازہ

ہزارہا مسلم نوجوان جہاد کی دعوت ملنے پر غفلت و معصیت کی زندگیاں چھوڑ کر میادینِ قتال کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور جہاد کی محبت اور شہادت کی تڑپ ہی رب تعالیٰ سے ان کا تعلق درست کرنے، انہیں شریعت کا پابند بنانے اور ان کی زندگیوں کا رخ دنیا کی بجائے آخرت کی طرف پھیرنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ گویا جہاد کی طرف متوجہ ہونا ہی ان کی ہدایت واصلاح کا سبب بنا۔ میدانِ جہاد آج ایسی مثالوں سے پر ہے جہاں وہی شخص جو کل تک فسق و فجور میں ڈوبا ہوا تھا اور کسی داعی کی دعوت، کسی مبلغ کی تبلیغ اور کسی عالم کے وعظ پر کان نہیں دھرتا تھا...... آج جہاد کا رستہ اختیار کرنے کے بعد وہ ایک مثالی پابندِ شرع نوجوان بن چکا ہے، وللہ الحمد!

۲۔ خونِ شہداء...... خاندانوں اور معاشروں کی معجزاتی اصلاح کا باعث

میدانِ جہاد میں موجود ساتھی اس بات کی گواہی دیں گے کہ شہدا کے خون سے بڑھ کر مؤثر ذریعۂ دعوت کوئی نہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے کتنے ہی واقعات ایسے ہوئے ہیں جہاں ایک مجاہد بھائی کی شہادت نے اس کے پورے خاندان اور اعزا و اقارب کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ وہی شرعی احکامات جو وہ ساتھی اپنی زندگی کے دوران میں ہر ممکنہ دلائل سے سمجھایا کرتا تھا اور کوئی سننے پر تیار نہ تھا...... اس کی شہادت کے بعد وہی سب احکامات کسی کے کہے بغیر ہی سب خاندانوں والوں نے تسلیم بھی کر لیے اور اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق ڈھال بھی لیا۔ وہ پتھر دل جو کسی وعظ ونصیحت سے نہ پگھلتے تھے، خونِ شہیداں کی حرارت سے پگھل کر موم ہوئے اور رب کے سامنے جھک گئے!

۳۔ جہاد...... کفار کو دعوت پہنچانے کا مؤثر ترین وسیلہ

جہاد کفار تک دعوتِ دین پہنچنے میں حائل ''مادی رکاوٹوں'' کو دور کرتا ہے...... یعنی ان جابر سلطنتوں اور مسلح قوتوں کا زور توڑتا ہے جو آزادانہ طور پر اسلام کی مکمل دعوت کفار تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ اسی طرح جہاد ان ''معنوی رکاوٹوں'' کو بھی دور کرتا ہے جو کفار کے قبولِ حق میں مانع ہوتی ہیں...... یعنی شہدا کے خون کی برکت سے طواغیت کی اس جھوٹی ابلاغیاتی مہم کا پردہ چاک ہوتا ہے جو اسلام کو مسخ کر کے پیش کرتی ہے اور تلوار سر پر چمکنے سے قلب و ذہن پر لپٹے شہوات وشبہات کے وہ سیاہ پردے بھی چاک ہو جاتے ہیں جو دعوتِ حق کو سنجیدگی سے سننے ہی میں حائل تھے۔ پھر تلوار کے حامل داعی کی بات کو توجہ سے سنا جاتا ہے اور نفس کی شرارت قبولِ اسلام میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ کے مبارک دن جب انیس (۱۹) فدائی جانباز جہازوں سمیت امریکہ کے عسکری وتجارتی مراکز سے ٹکرائے ...... تو کتنے ہی غفلت میں پڑے کافر چونک کر جاگ اٹھے اور اپنی نفس پرستیوں اور عیاشیوں سے باہر آ کر یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ کس چیز نے ان شہیدی نوجوانوں کو اپنی جانیں قربان کرنے اور ہم سے آ ٹکرانے کا جذبہ دیا؟ یہ سوچ وفکر نجانے کتنے کفار کی ہدایت کا نقطۂ آغاز بنی! اب تو یہ بات باقاعدہ اعداد وشمار کے ساتھ معلوم ومعروف ہے کہ گیارہ ستمبر کے بعد جس بڑی تعداد میں سفید فام وسیاہ فام امریکی و یورپی باشندے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اتنے پہلے کبھی کسی دعوتی وتبلیغی مہم کے سبب نہیں داخل ہوئے۔

اس حقیقت کا بیّن ثبوت وہ مجاہدین ہیں جو گیارہ ستمبر کے بعد سے آج تک امریکہ، برطانیہ، جرمنی، اٹلی، ہالینڈ، فرانس اور دیگر مغربی ممالک سے نکل نکل کر مسلسل مختلف جہادی میدانوں میں پہنچ رہے ہیں...... اور یہ سلسلہ الحمدللہ آج تک جاری ہے۔ میں نے یورپ ہی سے آئے ہوئے ایک عربی النسل مجاہد بھائی سے (جو ماضی قریب ہی میں شہید ہوا ہے) سوال کیا کہ: کیا چیز آپ کو جہاد پر لانے کا سبب بنی؟ وہ کچھ لمحے توقف کے بعد بولا: جہاد ہی نہیں، مجھے دین کی طرف واپس لانے کا سبب بھی گیارہ ستمبر بنا! پھر کہنے لگا: صرف میں ہی نہیں، یورپ میں بسنے والے جتنے نسلی مسلمان بھی پچھلے چند سالوں میں دین کی طرف واپس پلٹے ہیں، ان کی اکثریت گیارہ ستمبر کے سبب تبدیل ہوئی ہے۔ پھر مزید گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس بھائی کی اہلیہ ایک یورپی النسل نومسلم خاتون ہیں جو حاملہ ہونے کے باوجود، گود میں ایک بچہ لیے، شوہر کے ہمراہ ایک طویل اور دشوار گزار سفر طے کر کے میدانِ جہاد میں پہنچی ہیں۔ اسی حوالے سے بات آگے بڑھاتے ہوئے ان بھائی نے کہا کہ: میری بیوی کے اسلام لانے کا سبب بھی گیارہ ستمبر اور ۷ جولائی (لندن) کی مبارک کارروائیاں بنیں۔ ان کارروائیوں کے بعد ہی انہوں نے پہلی مرتبہ اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور یہی ان کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا۔

اسی طرح میدانِ جہاد میں موجود ایک اور یورپی نومسلم مجاہدہ بہن نے بھی یہی بتایا کہ ان

کے مسلمان ہونے کا سبب، اللہ کی توفیق کے بعد،''گیارہ ستمبر'' ہے۔ بلکہ انہوں نے مزید کہا کہ اگر کسی مسلمان کو اہلِ یورپ سے واقعتاً خیر خواہی ہو اور وہ ان کی ہدایت کا حریص ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور بالضرور گیارہ ستمبر اور ۷ جولائی جیسی مزید کارروائیاں کرے تا کہ ان کے ذریعے اسلام کی دعوت یورپ کے ہر خاص و عام تک پہنچ جائے۔

افسوس کہ یورپ میں رہنے والے ہزارہا کفار گیارہ ستمبر کے سبب ہدایت پا گئے، لیکن مسلمانوں کے درمیان بسنے والے کتنے ہی لوگوں کے لیے گیارہ ستمبر کا دن ایک فتنہ و آزمائش بن گیا......اور اس سے ہدایت پکڑنا تو دور کی بات، یہ تسلیم کرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو گیا کہ یہ عظیم الشان کارنامہ مجاہدین کے ہاتھوں انجام پایا ہے۔

۴۔ جہاد......ایک بہترین تربیتی مدرسہ

محاذوں پر توپوں کی گھن گرج اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے درمیان جو رجالِ کار تیار ہوتے ہیں، وہ کسی سکون و آرام کی جگہ پر ہرگز تیار نہیں ہو سکتے۔ اگر انسان کی فطرت سلیم ہو تو تزکیۂ نفس کے جو مواقع میدانِ جہاد میں میسر ہوتے ہیں اور عقائد کی جو تصحیح، اعمال کی جو درستی، اخلاق کی جو ترقی موت کے منہ میں بیٹھ کر ممکن ہے وہ کہیں اور ممکن نہیں۔ بلاشبہ مجاہدین بھی انسان ہیں اور ان کی معاشرت بھی ایک انسانی معاشرت ہونے کے ناطے بشری کمزوریوں سے خالی نہیں۔ لیکن یہ بات پورے اطمینان سے کہی جا سکتی ہے کہ خشیتِ الٰہی، فکرِ آخرت، حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عبادات میں انہماک، دعاؤں میں رقت، باہمی محبت و اخوت، ایثار و قربانی اور اتباعِ شریعت کے جو مجسم نمونے جس بڑی تعداد میں میدانِ جہاد میں ملتے ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتے۔ پس اگر میدانِ جہاد میں صاحبِ علم و عمل علما و مربی حضرات میسر ہوں، تو میدانِ جہاد سے بہتر مدرسہ اور تربیت گاہ کوئی نہیں۔ اس مدرسے میں تیار ہونے والے افراد ہی ان اوصاف کے حامل ہو سکتے ہیں جو امت کی قیادت کا بوجھ سنبھالنے کے لیے مطلوب ہیں۔

شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ میدانِ جہاد کے اسی تربیتی پہلو کو واضح کرتے ہوئے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ جزیرۂ عرب سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جو عقیدے کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حامل تھے اور ۲۰ سال تک عقائد کی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے تھے، جہاد میں شرکت کے لیے افغانستان آئے۔ ان کے افغانستان پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی روسی جہازوں نے آ کر اس مرکز پر شدید بمباری شروع کر دی جہاں وہ مقیم تھے۔ میزائیل ان کے اردگرد گرتے رہے لیکن وہ محفوظ رہے۔ بعد میں انہوں نے ایک درس دیتے ہوئے کہا کہ جو عقیدہ مجھے گولہ بارود کے نیچے بیٹھ کر ان پانچ منٹ میں سمجھ آیا ہے، وہ مجھے ۲۰ سال کی درس و تدریس سمجھ میں نہیں آ سکا تھا! فاعتبروا یا اولی الابصار!

۵۔ جہاد......ارضِ جہاد و رباط میں بسنے والوں کی ہدایت کا ذریعہ

جس سرزمین کو اللہ تعالیٰ بطور ارضِ جہاد یا ارضِ رباط چن لیں، وہاں بسنے والوں کی آخرت سنور جاتی ہے اور دنیا و آخرت کی رفعتیں پانے کے دروازے ان پر چوپٹ کھل جاتے ہیں۔ وزیرستان کی مثال ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ کل تک اس سرزمین کے نام سے بھی دنیا ناواقف تھی......آج تمام ٹی وی و ریڈیو چینلوں اور اخبارات و جرائد کی سرخیوں پر ''وزیرستان'' کا نام چھایا ہوا ہے اور عالمِ اسلام ہی نہیں، دنیائے کفر کے قائدین کی زبانوں سے بھی طرح طرح کے لہجوں میں ''وزیرستان'' کا نام ادا ہوتا رہتا ہے۔ اس خوش بخت سرزمین کے باسیوں کو اللہ نے اس دورِ فتن میں نصرتِ جہاد کی توفیق دی اور دنیا بھر کے طواغیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجاہدینِ عالم کے گرد ایک مضبوط حصار باندھنے اور اپنے گھر بار اور اہل و عیال سمیت ہر شے کو خطرے میں ڈال کر شمعِ جہاد کو زندہ رکھنے کی سعادت بخشی۔ اللہ ان کو اور ان کی آئندہ نسلوں کو ایمان کی نعمت سے مالا مال کر دیں اور بہترین اجر و ثواب عطا فرمائیں، آمین!

جہاد کی برکت سے یہی سرزمین جو کل تک نہ صرف گمنام تھی، بلکہ اگر جانی جاتی تھی تو جہالت، لاعلمی، بدعات و شرکیات، چوریوں، ڈاکوں، باہمی قتل و قتال اور منشیات وغیرہ کے سبب ہی جانی جاتی تھی......آج یہی سرزمین اسلام کا مضبوط ترین قلعہ اور عالمی جہاد کا مرکز ثابت ہو رہی ہے۔ الحمدللہ اس سرزمین پر آٹھ سال سے زائد عرصے سے مہاجر مجاہدین اور ان کے اہل و عیال مقیم ہیں۔ اس عرصے میں اس قبائلی معاشرے کو ان مہاجرین و مہاجرات کو قریب سے دیکھنے، ان کی سیرتوں کا مطالعہ کرنے، ان کے علم سے استفادہ کرنے، ان کے اخلاق و معاملات کے مثبت پہلوؤں کا اثر قبول کرنے، ان کی فداکاری و سرفروشی کا مشاہدہ کرنے اور ان کے صالح افراد اور اصحابِ علم و فضل کی صحبت سے مستفید ہونے کا بھرپور موقع ملا ہے۔ اسی طرح اس عرصے میں مہاجرین کو بھی انصار کی وہ فطری خوبیاں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے جو علم و دعوت کے مراکز سے دوری کے باوجود ان کی جبلت میں پائی جاتی تھیں۔ سخاوت، دریا دلی، شجاعت، سادگی، صاف گوئی، ایفائے عہد اور غیرت و حمیت جیسی اعلیٰ انسانی صفات جو آج کی مادیت پرست دنیا میں مفقود ہوتی جا رہی ہیں......شہروں میں پائی جانے والی دجالی تہذیب کے اثرات سے محفوظ ہونے کے سبب...... یہاں وافر دستیاب ہیں۔ پس مہاجرین کے علم و فضل اور تقویٰ و للّٰہیت کا ملاپ جب انصار کے فطری اوصاف و اخلاق سے ہوا......تو ایک نئی اسلامی معاشرت نے جنم لیا۔ بلاشبہ یہ معاشرت بھی بشری کمزوریوں سے پاک نہیں، لیکن یہ انصار و مہاجرین کے اس ملاپ ہی کی برکات ہیں کہ وہ خطہ جو مجاہدین کی آمد سے قبل چوریوں، ڈاکوں اور بدامنی کے سبب معروف تھا، جہاں اندھیرے کے بعد سفر قطعی غیر محفوظ سمجھا جاتا تھا، جہاں جاہلی قومی لڑائیاں ایک معمول تھیں......وہیں کسی ''پولیس'' اور ''حساس ادارے'' کی موجودگی کے بغیر ایسا امن و امان قائم ہو گیا ہے کہ چوری اور ڈاکوں کے واقعات تقریباً مفقود ہو چکے ہیں اور رات کے کسی بھی پہر کسی بھی سمت میں تنہا سفر بے دھڑک کیا جا سکتا ہے (بلکہ اگر کہیں کوئی خوف ہوتا ہے، تو ''وطنِ عزیز'' کی ''پاک'' فوج کے شرور کا)۔ الحمدللہ ایسی بے تحاشا مثالیں ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں کہ کل کا منشیات فروش و ڈاکو، کل کا فاسق فاجر بے دین شخص، آج اللہ کی راہ کا مجاہد بن چکا ہے۔

پھر یہ بھی جہاد ہی کی برکات ہیں کہ اس خطے سے شرکیات و بدعات کی بہت بڑی تعداد ختم ہو چکی ہے۔ (باقی صفحہ ۳۷ پر)

زکوٰۃ وصدقات کے نظام کی وجہ سے خوراک کی مد میں ملنے والی بین الاقوامی امداد سے چھٹکارا حاصل ہورہا ہے۔امسال صرف ریاست اشبیلی میں زکوٰۃ کے 428 جانور جمع ہوئے جنہیں مصارف کا خیال رکھتے ہوئے تقسیم کیا گیا۔باقی ریاستوں میں بھی ایسے ہی زکوٰۃ کی تقسیم ہوئی،مجاہدین نے امداد کی آڑ میں ایڈز اور یرقان جیسی مہلک بیماریاں پھیلانے اور ایسے ہی دیگر قبیح منصوبہ جات پر کام کرنے کی وجہ سے متعدد این جی اوز پر پابندی لگائی ہے۔ان میں برطانوی این جی او، ورلڈ ویژن بھی شامل ہے۔مجاہدین ایسے دیگر اداروں کی بھی کڑی نگرانی کررہے ہیں۔خوراک کے معاملہ میں خود کفیل ہونے کے لیے کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اراضی کو قابلِ کاشت بنائیں۔

مجاہدین عربی زبان کی ترویج کے لیے ہر ممکن کوشش کررہے ہیں۔تاکہ مسلمانوں کی اسلامی شناخت بحال ہوسکے۔مدارس میں انگریزی نظام تعلیم کو بالکل بدل کر اسلامی نظریات کا حامل نظام متعارف کرایا جارہا ہے۔جس میں ذریعہ تعلیم عربی ہے۔قبائل کے مابین برسوں سے چلے آنے والے جھگڑوں کو ختم کرایا جارہا ہے۔اس کی ایک بڑی مثال مرصودی اور ابغل قبائل میں سولہ سال سے جاری جھگڑے کی صلح ہے۔قبائلی افراد کی دینی تربیت کے لیے نشستوں کا اہتمام کیا جارہا ہے۔جس کی وجہ سے اکثر قبائل سمع وطاعت پر بیعت ہورہے ہیں۔قبیلہ بائے بیکول نے تو اپنے ہلکے اور بھاری ہتھیار جہاد کی نصرت کے لیے مجاہدین کے سپرد کردیئے ہیں۔

صومالیہ میں اکثر عمارتیں اور سڑکیں تیس سالہ مسلسل جنگ کی وجہ سے تباہ حال ہیں۔مجاہدین نے ان عمارتوں اور سڑکوں کی تعمیر نو کے منصوبہ کا آغاز کیا ہے۔قزاقوں کی سرکوبی کے لیے بھی مجاہدین نے کارروائیاں شروع کی ہیں۔پچھلے ماہ مجاہدین نے،اسلام کی غلط تصویر پیش کرنے،صلیبی افواج کے لیے حمایت حاصل کرنے کی مہم چلانے اور حقائق کی غلط تصویر پیش کرنے کے جرم میں برطانوی نشریاتی ادارے بی بی سی پر پابندی عائد کردی اور صومالیہ کی تمام اسلامی ریاستوں میں موجود ان کے دفاتر سے آلات تحویل میں لے لیے۔مجاہدین نے دیگر نشریاتی اداروں کو بھی خبردار کیا ہے کہ اگر وہ بھی ایسی سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے تو انہیں بھی پابندی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

صومالیہ میں جہاد کے مبارک عمل نے بعض پیچھے بیٹھ رہنے والے نام نہاد علما کے چہروں کو بھی خوب واضح کیا۔ان علما نے اسلام سے وفاداری ظاہر کرنے کے لیے ایک کانفرنس "موتمر علماء الصومال" منعقد کی۔جس کے آخر میں اعلامیہ جاری کیا گیا کہ حکومت چار ماہ کے اندر غیر ملکی افواج کو ملک سے باہر نکالے اور چھ ماہ کے اندر شریعت کا نفاذ کیا جائے۔سبحان اللہ! جو حکومت قائم ہی شریعت کو ڈھانے کے لیے کی گئی اس سے یہ کہا گیا کہ ملک میں شریعت نافذ کرو۔اس کے بعد حکومت نے واضح طور پر نفاذ شریعت کے مطالبہ کو مسترد کردیا۔ڈیڑھ سال گزرنے کے بعد بھی صلیبی افواج صومالیہ میں معصوم مسلمانوں کا خون بہارہی ہیں لیکن یہ علما اپنی مسندوں پر ہی آرام فرمارہے ہیں اور جہاد کرنے والے تو پوری دنیا سے آکر قافلہ جہاد میں شریک ہورہے ہیں۔الشباب کے ترجمان شیخ ابومنصور حفظہ اللہ امریکہ سے ہجرت کرکے سرزمین صومالیہ پہنچے ہیں۔ان کے علاوہ عرب،افریقہ اور مغربی ممالک کے کتنے ہی مجاہدین یہاں موجود ہیں۔ان شاء اللہ ارض صومال موجودہ صلیبی جنگ میں کفر کے لیے گلے کا کانٹا ثابت ہوگی۔

امیر حرکۃ الشباب المجاہدین شیخ مختار ابوزبیر حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''دین اسلام کی فتح کسی معمولی قیمت پر حاصل نہیں ہوتی......ہم اسے اپنے اور اپنے احباء کے لہو کے بدلے خریدتے ہیں۔ذرا اسعدؓ بن زرارہ کے قول کو یاد کیجیے جو انہوں نے بیت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصار سے کہا تھا: اے اہل یثرب،ذرا ٹھہر جاؤ! ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (یعنی لمبا چوڑا سفر طے کرکے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔آج آپ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں؛ سارے عرب سے دشمنی،تمہارے چیدہ سرداروں کا قتل اور تلوار کی مار کا سامنا۔لہٰذا اگر یہ سب برداشت کرسکتے ہو تو انہیں ساتھ لے چلو،اور تمہارا اجر اللہ پر ہے۔اور اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو (بعد میں ساتھ چھوڑنے کی بجائے) انھیں ابھی سے چھوڑ دو۔یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول صورت ہوگی''۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: ایک ہاتھ میں تلوار،ایک ہاتھ میں قرآن......!

شاید دنیا کے کم ہی علاقوں میں شرک و بدعت کا وجود اتنا کم ہوگا جتنا وزیرستان میں ہے۔نیز منشیات،موسیقی،فحاشی،بے پردگی،ناحق قتل و غارت سمیت بہت سی وہ منکرات جو آج ہمارے معاشروں میں عام ہیں...... یہاں سے مکمل طور پر مٹ چکی ہیں۔اسی طرح اس علاقے کے عام لوگ علمی اعتبار سے آج بھی شاید کافی پسماندہ سمجھے جائیں،لیکن عمل اور قربانی میں بلاشبہ ان کا کوئی ثانی نہیں۔کیا عالمِ اسلام کے کسی شہر،کسی گاؤں،کسی قصبے میں بسنے والے لوگ وہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں جو خطۂ محسود کے باسی آج دے رہے ہیں؟ کیا کوئی بستی پورے عالمِ کفر کو مطلوب قائدینِ جہاد کو پناہ دینے کی جرأت اپنے اندر پاتی ہے؟ کیا کوئی علاقہ ایسا موجود ہے جس کے باسی نصرتِ جہاد کی خاطر اپنے تمام بازاروں کا برباد کیا جانا، مساجد و مدارس کا منہدم کیا جانا،سینکڑوں گھروں کا جلایا جانا اور لاکھوں کا دربدر ہونا قبول کرنے کو تیار ہوں اور اس سب کے بعد بھی اپنے مؤقف سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں؟ ان سنگلاخ پہاڑوں میں موجود کچے گھروں میں بسنے والے ان پڑھ لوگ بعض اوقات ایثار و قربانی،توکل و استقامت،ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے ایسے عملی درس دے جاتے ہیں کہ ہمارے پاس رشک کرنے اور اپنی بے بضاعتی پر شرمندہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ایسی حیرت انگیز مثالوں کا ایک ذخیرہ سینے میں موجود ہے،لیکن یہ مقام تفصیل کا متقاضی نہیں۔بس اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس پورے خطے کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے اور عالمِ اسلام کی ہر بستی کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین! (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

آخری قسط

ایک ہاتھ میں تلوار، ایک ہاتھ میں قرآن......!

استاد احمد فاروق

٦۔ جہاد......شریعت کے گمشدہ ابواب کے احیاء کا ذریعہ

جہادِ شریعت کے بہت سے گمشدہ احکامات اور بہت سی مردہ سنتیں زندہ کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس پہلو سے جائزہ لیں تو بلاشبہ حیرت ہوتی ہے کہ گزشتہ تین دہائیوں میں جہاد کے ذریعے احیائے دین کا کیسا عظیم کام انجام پایا ہے:

☆ روس کے خلاف جہاد کے ذریعے ۵۰ سے زائد ریاستوں میں تقسیم امت میں ......ایک امت ہونے کا عقیدہ وشعور زندہ ہوا؛ طاغوت کے انکار کا درس تازہ ہوا؛ اشتراکیت کا کفر عیاں ہوا، ملکی سرحدات، ویزہ و پاسپورٹ اور بین الاقوامی قانون کی شرعی حیثیت پر بحث کھلی اور ان کا شریعت سے تضاد واضح ہوا؛ جہاد اور اس سے متعلقہ ہزارہا شرعی مسائل دوبارہ سے علمی و عملی میدان میں زندہ ہوئے؛ امت کے لاکھوں نوجوان اپنی زندگی کے اصل مقصد اور دین کے اصل مزاج سے روشناس ہوئے اور ایمان اور تلوار کے زور سے غلامی کی زنجیریں توڑنے اور نظامِ خلافت قائم کرنے کا جذبہ ان میں پیدا ہوا۔

☆ پھر اللہ کے احسانِ خاص سے جہاد ہی کے ذریعے امارتِ اسلامیہ افغانستان قائم ہوئی۔ یوں امتِ مسلمہ نے خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد پہلی مرتبہ شرعی نظام کی بہاریں دیکھیں۔ اس نظام کے قیام سے شریعت کے کتنے ہی معطل پڑے ہوئے احکام تقریباً پون صدی کے وقفے کے بعد دوبارہ نافذ ہوئے۔ حدود وتعزیرات، باغیوں کے خلاف جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اہلِ حل وعقد وشوریٰ، انتخابِ امیر، سمع وطاعت، شرعی قضا، صلح ومعاہدات، اسلامی معیشت، بیت المال اور سیاستِ شرعیہ سمیت کتنے ہی ابوابِ شریعت کا احیاء ہوا۔

☆ پھر گیارہ ستمبر کی مبارک کارروائیوں اور ان کے بعد سے امریکہ و یورپ کے خلاف جاری جہاد کے ذریعے فدائی حملوں کی مبارک سنت زندہ ہوئی، اہلِ ایمان سے محبت وموالات اور کفار سے بغض وبرأت جیسے اساسی عقیدے کا احیاء ہوا، مسلمانوں پر مسلط حکمرانوں کی غداریوں کے سبب ارتداد کا مکمل باب دوبارہ سے کھلا، جمہوریت کا بت ٹوٹا، سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت واضح ہوئی، امریکہ اور مغربی تہذیب کے حقیقی دجالی چہرے پر سے پردہ اٹھا، شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کرنے اور غیر شرعی قانون سازی کرنے کی حیثیت زیرِ بحث آئی، قومی، وطنی، لسانی، تنظیمی اور مسلکی تعصّبات اور فروعی اختلافات سے بالاتر ہو کر عقائدِ اہل سنت والجماعت پر مجتمع ومتحد ہونے اور اپنی ساری توانائیاں کفر کی شوکت توڑنے اور شرک وکفر مٹانے پر مرکوز کرنے کے مواقع میسر آئے۔

الغرض، جہاد کی یہ ساری برکات نگاہوں میں ہوں تو کوئی مخلص داعی کبھی لمحہ بھر بھی جہاد وقتال سے پیچھے رہنا قبول نہ کرے گا بلکہ اتباعِ سنت، ادائے فرض اور توسیعِ دعوت کی خاطر بلا تاخیر میدانِ قتال کا رخ کرے گا۔ اللہ ہمارے ہر داعی ومبلغ کو، ہر عالم وخطیب کو راہِ خدا میں لڑنے والا مجاہد بننے کی توفیق دیں، آمین!

ہر مجاہد......داعی بن جائے

اس پوری بحث کا ایک اور پہلو بھی ہے، جو اپنی اہمیّت کے اعتبار سے کسی طرح کم نہیں۔ جس طرح ہر داعی کو چاہیے کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ بنے، اسی طرح ہر مجاہد کو بھی چاہیے کہ وہ داعی الی اللہ بن جائے۔ میدانِ جہاد میں موجود ہر ساتھی کو یہ امر ذہن میں تازہ کر لینا چاہیے کہ اس کا جہاد وقتال نہ کسی غم وغصّے کے اظہار کے لیے ہے، نہ محض کسی سے انتقام لینے کی خاطر۔ دھماکے اور تباہی، قتل وخونریزی بذاتِ خود مقصود نہیں، مقصود تک پہنچنے کے وسائل ہیں۔ مقصود کیا ہے، یہ مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے۔ خیبر کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لشکر کا علم تھمایا تو آپؓ نے پوچھا:

> **ہماری جنگ دعوت الی اللہ کے لیے ہے...... جب کوئی شخص یہ دعوت قبول کر لے تو ہماری اس سے لڑائی ختم ہو جاتی ہے، اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔**

"أقاتلهم حتى يكونوا مثلنا"؟

"کیا میں ان کے خلاف اس لیے قتال کروں کہ وہ ہمارے جیسے ہی ہو جائیں (یعنی مسلمان ہو جائیں)"؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انفُذ على رسلِك حتى تنزل بساحتهم ثم ادعهم إلى الإسلام وأخبرهم بما يجب عليهم، فوالله لأن يهدي الله بك رجلا خير لك من أن يكون لك حُمرُ النَّعَم"۔

"عجلت پسندی کے بغیر تیزی سے جاؤ یہاں تک کہ تم ان کی زمین کو جا پہنچو، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ ان پر (اللہ کے) کیا حقوق بنتے ہیں......اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ کا تمہارے ذریعے کسی ایک فرد کو ہدایت دے دینا تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ ملیں۔"

(صحيح البخاري، باب فضل من أسلم على يديه رجل)

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"قال الطيبي: كأنه صلى الله عليه وسلم استحسن قوله: ((أقاتلهم

حتی یکونوا مثلنا؟)) واستحمده علی ما قصده من مقاتلته إیاهم حتی یکونوا أمثالنا مهتدین إعلاء لدین اللّٰه، و من ثم حثه النبي صلی اللّٰه علیه وسلم علی ما نواه بقوله: ((فواللّٰه لأن یهدي اللّٰه بک رجلاً واحدًا خیر لک من أن یکون لک حمر النعم))۔......إلی أن قال:......إن إیجاد مؤمن واحد خیر من إعدام ألف کافر علی ما صرح به ابن الهمام في أول کتاب النکاح"۔

''امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوال: ((کیا میں ان کے خلاف اس لیے قتال کروں کہ وہ ہمارے جیسے ہی ہو جائیں؟)) کی تحسین فرمائی اور آپؓ کی اس نیت کی تعریف فرمائی کہ کفار کے خلاف اس لیے قتال کیا جائے کہ وہ ہماری طرح ہدایت یافتہ ہو جائیں، تا کہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو سکے۔ اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس نیت پر مزید ابھارتے ہوئے فرمایا: ((اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ کا تمہارے ذریعے کسی ایک فرد کو ہدایت دے دینا تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ ملیں))۔

......پھر آگے چل کر آپ لکھتے ہیں:......بلا شبہ ایک مسلمان کا وجود میں آنا، ہزار کافروں کے مارے جانے سے بہتر ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے کتاب النکاح کے ابتداء میں تصریح کی ہے''۔

(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، باب مناقب علی بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه)

پس ہر مجاہد اپنے ذہن میں یہ نیت تازہ کر لے۔ ہم قتال اسی لیے کرتے ہیں کہ اللہ راضی ہو، اللہ کا کلمہ سربلند ہو، اللہ کے دین کی دعوت پھیلے، کفار و فجار اسلام قبول کر لیں، امت میں شامل ہو جائیں، جہنّم سے بچ جائیں، جنت میں جگہ پائیں۔ پس ان میں سے جو شخص بھی اسلام لے آئے، ہم اس کے بھائی ہیں اور وہ ہمارا۔ بش یا اوباما بھی توبہ کر کے اسلام قبول کر لیں تو ہم اپنی ساری رنجشیں ایک طرف رکھ کر انہیں سینے سے لگائیں گے۔ مومن تو اتنا وسیع الصدر ہوتا ہے، اتنا بے غرض و بے لوث اور اپنے مالک کا اتنا مطیع ہوتا ہے کہ جب کوئی اس کے مالک کا حق ادا کرنے پر تیار ہو جائے تو وہ " فَخَلُّوا سَبِيلَهُم" پر عمل کرتے ہوئے بلا چون و چراں رستہ چھوڑ دیتا ہے۔ اور کیسے نہ چھوڑے جبکہ اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے محبوب چچا کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ کو معاف کیا، چچا کا کلیجہ چبانے والی ہندہ رضی اللہ عنہا کو معاف کیا، احد کے دن پہاڑی درّے پر حملہ کر کے دسیوں مسلمانوں کو شہید کرنے والے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معاف کیا، بدر و احد سمیت ہر اہم جنگ میں لشکرِ کفر کی قیادت کرنے والے حضرتِ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو معاف کیا، اور صرف معاف انہیں ہی نہیں ان کے گھر میں پناہ لینے والے ہر فرد کو معاف کر دیا، پورے مکی دور میں گالیاں دینے، مذاق اڑانے، اذیتیں پہنچانے والے مشرکین کو مکمل غلبہ و قدرت پا لینے کے بعد حرمِ مکہ میں کھڑے ہو کر کہا کہ:

''((لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰه لکم و هو أرحم الراحمین))، إذهبوا فأنتم الطلقاء"۔

'' آج تم پر کوئی پکڑ نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، جاؤ، تم سب آزاد ہو''۔

(سنن البیهقي الکبریٰ، باب فتح مکة حرسها اللّٰه تعالیٰ)

پس ہماری جنگ دعوت الی اللہ کے لیے ہے...... جب کوئی شخص یہ دعوت قبول کر لے تو ہماری اس سے لڑائی ختم ہو جاتی ہے، اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایئے، میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما لَکَ یا عَمْرو"؟

'' اے عمرو! تجھے کیا ہوا''؟

تو میں نے کہا:

"أردت أن أشترط"۔

'' میں کچھ شرط رکھنا چاہتا ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تشترط بماذا"؟

'' کیا شرط رکھنا چاہتے ہو''؟

میں نے کہا:

" أن یُغفر لي"۔

'' کہ میری (مکمل) مغفرت کر دی جائے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أما علمت أن الإسلام یهدم ما کان قبله وأن الهجرة تهدم ما کان قبله......"

'' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے......''۔**(صحیح المسلم، باب کون الإسلام یهدم ما کان قبله و کذا الهجرة)**

ہر داعی کو چاہیے کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ بنے، اسی طرح ہر مجاہد کو بھی چاہیے کہ وہ داعی الی اللہ بن جائے۔ میدانِ جہاد میں موجود ہر ساتھی کو یہ امر ذہن میں تازہ کر لینا چاہیے کہ اس کا جہاد و قتال نہ کسی غم و غصّے کے اظہار کے لیے ہے، نہ محض کسی سے انتقام لینے کی خاطر۔

پس ان دونوں امور میں کوئی تضاد نہیں کہ ہم کفار کے خلاف قتال کے لیے میدان میں نکلیں، جب تک وہ اپنے کفر و سرکشی پر قائم ہیں ہم ان سے بغض و عداوت پر قائم رہیں......اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے دلوں

میں ان کی ہدایت کا جذبہ ہو، انہیں جہنّم سے بچانے کی تڑپ ہو۔ ہماری تلوار بھی ان کے لیے رحمت ہے۔ جو کفار سرکشی وطغیان سے باز نہ آئیں یہ تلوار انہیں مزید سرکشی کا موقع نہیں دیتی تا کہ وہ جہنّم کے کسی مزید نچلے درجے کے مستحق نہ بنیں۔ جو کفار سلیم الفطرت ہوں، یہ تلوار ان کے اور ہمارے درمیان حائل رکاوٹیں دور کرتی ہے تا کہ اسلام کی اصل دعوت ان تک آزادانہ پہنچ پائے اور وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ پس ہر مجاہد اپنے سینے میں کفار کی ہدایت کا یہ جذبہ زندہ کرے۔

دعوت کی خاطر قتال کرنے کے عملی تقاضے

جب یہ امر ذہنوں میں راسخ ہو کہ قتال فی سبیل اللہ سے دعوت الی اللہ ہی مقصود ہے تو اس کے اثرات مجاہدین کی تمام تر منصوبہ بندی، ترجیحات، عسکری کارروائیوں کی ترتیب اور اہداف کے چناؤ میں بھی واضح نظر آئیں گے۔ پھر کئی ایسے اہداف جو اصولی اعتبار سے شرعاً جائز ہیں، ان سے محض دعوتِ دین کی مصلحت کی خاطر اور عوام الناس کو دین اور جہاد سے قریب لانے کی غرض سے ہاتھ روک لیا جائے گا۔ اسی طرح بہت سی ایسی کارروائیاں جن کا کیا جانا عسکری اعتبار سے ناگزیر ہو، ان کے فلم بند مناظر نشر کرنے سے محض اس لیے اجتناب کیا جائے گا کہ ان کی تشہیر سے دعوتی میدان میں مفاسد سامنے آئیں گے اور معاشرے کے عام لوگ علمِ دین کی کمی اور حقائق سے دوری کے سبب ان سے منفی تاثر لیں گے۔

اسی طرح، جب قتال سے دعوت ہی مقصود ہو، تو ایسے اہداف کو بھی نشانہ بنایا جائے گا جو اگرچہ مجاہدین کی راہ میں براہِ راست رکاوٹ نہ ہو، لیکن معاشرے میں دعوتِ دین پھیلنے میں حائل ہوں اور کفر وشرک اور بے دینی پھیلانے کا باعث ہوں۔ چنانچہ علمائے کرام سے فتویٰ لینے کے بعد کفر وشرک کے علانیہ مظاہر کو منہدم کیا جائے گا، بدعات کو بزور روکا جائے گا، منکرات اور فحاشی وعریانی کو فروغ دینے والے اداروں، بالخصوص ذرائع ابلاغ کو نشانہ بنایا جائے گا، علمائے کرام، مدارسِ دینیہ اور دینی جماعتوں کے لیے خطرہ بننے والے منظّم گروہوں، جماعتوں، طبقات وشخصیات سے نمٹا جائے گا، گستاخانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور گستاخانِ کتابِ الٰہی کے سر کاٹے جائیں گے، گستاخانِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بد بخت زبانوں کو لگام ڈالی جائے گی...... الغرض ہر وہ کام کیا جائے گا جس سے دین مضبوط ہو، اس کی دعوت عام ہو اور کفر وشرک کی جڑ کٹ جائے!

نیز جب قتال کا مقصد ومحور دعوت کا فروغ اور دین کا قیام ہو تو مجاہدین اس امر پر خاص توجہ دیں گے کہ جن جن علاقوں میں انہیں تسلط اور قوت میسر ہے اور جہاں جہاں ان کی مناسب تعداد موجود ہے...... وہاں ہر مجاہد اٹھتے بیٹھتے اپنے قول وعمل سے دین کی دعوت دے، اتباعِ شریعت کی طرف بلائے، امر بالمعروف کرے، نہی عن المنکر کرے اور تبلیغِ دین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اسی طرح ایسے ہر خطے میں مجاہدین شرکیات وبدعات کا قلع قمع کرنے اور توحید کو عام کرنے پر خاص توجہ دیں گے، شرکِ قبور اور جاہلانہ پیر پرستی کو برداشت نہ کریں گے، شرکیہ اور مہمل کلمات پر مشتمل تعویذات سمیت تمام متفق علیہ بدعات کو مٹائیں گے اور عقائد کی اصلاح پر خاص زور دیں گے۔ اسی طرح وہ تمام منکرات جو ایسے معاشروں میں موجود ہوں...... مثلاً عورتوں کو میراث میں حصّے سے محروم کرنا، شرعی پردے کا اہتمام نہ کرنا، منشیات استعمال کرنا، موسیقی سننا، ٹی وی اور فلمیں دیکھنا، شریعت کی بجائے مقامی رواج کے مطابق فیصلے کرنا، حیلۂ اسقاط استعمال کرنا، داڑھی منڈوانا، شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا، طاغوتی فوج یا طاغوتی حکومت کی نوکری اختیار کرنا...... ان سب کو بالعموم پیار محبت سے اور بقدرِ ضرورت قوت استعمال کرتے ہوئے ختم کریں گے۔

> جہاد کی یہ ساری برکات نگاہوں میں ہوں تو کوئی مخلص داعی کبھی لمحہ بھر بھی جہاد و قتال سے پیچھے رہنا قبول نہ کرے گا بلکہ اتباعِ سنت، ادائے فرض اور توسیعِ دعوت کی خاطر بلا تاخیر میادینِ قتال کا رخ کرے گا۔ اللہ ہمارے ہر داعی ومبلغ کو، ہر عالم وخطیب کو راہِ خدا میں لڑنے والا مجاہد بننے کی توفیق دیں، آمین!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کا درست فہم عطا فرمائیں اور اپنی زندگیوں کو اس کی اتباع میں کھپانے کی توفیق دیں، آمین یا رب العالمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: تصوف کی آفاقی قدریں

ایک طرف یہ عالم ہے سوئٹزر لینڈ میں جہاں پورے ملک میں گنتی کی مساجد ہیں اور ان میں سے بھی صرف تین مساجد کے مینار ہیں حکومت نے مساجد کے میناروں کی تعمیر پر پابندی لگا دی ہے، دوسری طرف مغرب کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ وہ درباروں کی تزئین وآرائش اور تعمیر ومرمت کے لیے کروڑوں روپے براہ راست سجادہ نشینوں کے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔ ملتان میں دربار شاہ شمس سبزواری اور سخی سرور میں دربار سخی سرور کے لیے لاکھوں ڈالر کا عطیہ دے رہے ہیں۔ امریکی اور برطانوی سفارت کاروں کے ذریعے دیے جانے والے یہ عطیات مغرب کی دوہری پالیسیاں واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ تصوف کی آفاقی قدریں اگر وہ اس وقت واقعی موجود ہیں تو ان کے احیا کی اس مہم کا مرکز امریکہ اور دائرہ کار مغرب ہونا چاہیے کیونکہ فی الوقت انہیں ہماری نسبت پیار، محبت، برداشت، تحمّل اور رواداری کی ہم سے کہیں زیادہ ضرورت ہے ہم تو اس وقت خود مظلومیت، کسمپرسی، برداشت اور تحمّل کی آخری سطح سے بھی کہیں نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔

(یہ مقالہ مورخہ ۸ مئی ۲۰۱۰ کو اکادمی ادبیات پاکستان کی پنجاب شاخ کے زیر اہتمام لاہور میں ہونے والی کانفرنس ''صوفی ازم کی عوامی بنیادیں'' میں پڑھا گیا۔)

☆☆☆☆☆

فرضیتِ خلافت اور اس کے قیام کا نبوی علی صاحبہا السلام طریقہ کار

مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ نور اللہ مرقدہ

فرضیت خلافت:

مسلمانوں کی دنیوی واخروی سعادت اور کامرانی "اسلامی نظام خلافت" کے ساتھ وابستہ ہے، اسی طرح اسلام کی دعوت، غلبہ واقتدار کا انحصار "خلافت" پر ہے۔ اور امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ رسالت یعنی اظہارِ دین کا حصول بھی "خلافت" کے ذریعے ممکن ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر اقامتِ خلافت اور خلیفہ کے تقرر کو فرض قرار دیا ہے تاکہ ہر دور میں خلافت کے ذریعے مقصدِ رسالت "اظہارِ دین" حاصل کیا جاتا رہے۔

فرضیتِ خلافت قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اور خیر القرون سے لے کر آج تک تمام فقہائے مذاہب، مجتہدین علمائے کرام، خلافت کے قیام کی فرضیت پر متفق ہیں۔

فرضیت خلافت قرآن کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الأَرْضِ خَلِيْفَةً(البقرۃ:۳۰)

"یقیناً میں زمین میں ایک نائب (خلیفہ) بنانے والا ہوں"۔

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یہ آیت امام وخلیفہ کے تقرر کے بارے میں قاعدہ وکلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسا امام جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تاکہ کلمہ (اسلام کی شیرازہ بندی) اس سے مجتمع رہے اور خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔ امت اور آئمہ میں خلیفہ کے تقرر کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے"۔ (الجامع الاحکام القرآن)

سورۃ النور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِيْ الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِيْ ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً (النور:۵۵)

"جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم وپائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا"۔

اس آیت میں ایمان اور نیک عمل کا انعام اس دنیا میں خلافت کے قیام کو قرار دیا گیا ہے جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر دین کا استحکام اور امن وامان کا قائم ہو جانا ہے۔ اگر خلافت قائم ہو تو لازماً ایک خلیفہ ہو گا جس کی اطاعت کی جائے گی اور اگر خلافت قائم نہیں ہے تو اس کے قیام کے لیے ایک جماعت ہو گی اور پھر اس کا ایک امیر ہو گا جس کی اطاعت کی جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَطِيْعُوااللّهَ وَأَطِيْعُواالرَّسُولَ وَأُوْلِيْ الأَمْرِ مِنكُمْ (النساء: ۵۹)

"اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں صاحب امر ہوں"۔

اس آیت میں "اولی الامر" کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اولی الامر کے وجود کے بغیر اطاعتِ اولی الامر کا تصور نا ممکن ہے۔ جس شخص کا وجود ہی نہیں اس کی اطاعت کیسے ہو سکتی ہے؟

لہٰذا اطاعت اولی الامر کی فرضیت سے اولی الامر کے تقرر کی فرضیت، نص سے ثابت ہوتی ہے۔ پھر یہی نظام خلافت دراصل قیام عدل و قسط کی عملی شکل ہے جس کے لیے تمام انبیائے کرام کو مبعوث کیا گیا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ(الحدید:۲۵)

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔

اور واضح طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا حکم دیا:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِيْ الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص: ٢٦)

"اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو"۔

پھر یہی خلافت کا قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ رسالت یعنی اظہارِ دین کی بھی تکمیل کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف:٩)

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب ادیانِ باطلہ پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے"۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر دینِ اسلام' قیامت تک کے لیے ہے تو اس کا غلبہ بھی قیامت تک ہر دور میں مقصودِ رسالت ہے اور یہ غلبہ بغیر خلافت و حکومت کے حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا غلبہ اسلام کے حصول کے لیے اقامتِ خلافت لازم ہے۔

فرضیت خلافت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں:

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

"جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں (کسی خلیفہ) کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ کی بیعت کو فرض قرار دیا ہے اور خلیفہ کی بیعت اس کے تقرر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا خلیفہ کا تقرر فرض ہوا۔ چونکہ خلافت کا قیام فرض ہے اور یہ خلیفہ کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے خلیفہ کی عدم موجودگی میں واقع ہونے والی موت کو جاہلیت کی موت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے:

من مات وليس عليه امام مات ميتة جاهلية(کتاب السنہ)

"جو شخص اس حال میں مرا کہ اس پر کوئی امام (خلیفہ کی حکومت) نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ کی اطاعت کو بھی فرض قرار دیا ہے۔

اسمعوا واطيعوا و ان استعمل عليكم عبدحبشى(صحیح بخاری)

"سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام ہی کو عامل (امیر) بنا دیا جائے"۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب واكره(صحیح بخاری)

"مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے، پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں"۔

خلیفہ کی اطاعت تب ہو سکتی ہے جب خلیفہ موجود ہو۔ کیونکہ جو چیز موجود نہیں اس کی اطاعت کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا خلیفہ کی اطاعت کی فرضیت سے خلیفہ کے تقرر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

فرضیت خلافت صحابہ کرامؓ اور اسلاف کی نظر میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو خطبہ دیا، اس میں فرمایا:

"سنو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور اس دین کے لیے ایسا شخص (خلیفہ) ہونا ضروری ہے جو اسے قائم کرے"۔ (مواقف ... الرابع بحوالہ اسلام کا سیاسی نظام)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے خلیفہ کا انتخاب فرمایا۔ اسی چیز کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ کی توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے بھی پہلے خلیفہ کے تعین و تقرر کی طرف مائل ہوئی، اگر صحابہ کرامؓ کو شریعت کی طرف سے خلیفہ مقرر کرنے کی فرضیت معلوم نہ ہوتی تو وہ حضرات ہرگز خلیفہ کے تقرر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر مقدم نہیں کرتے"۔ (ازالۃ الخفاء)

اسی طرح امام احمد بن حجر الھیثمیؒ لکھتے ہیں:

''جان لیجیے کہ صحابہ کرامؓ نے زمانہ نبوت کے بعد امام کے تقرر کے وجوب پر اجماع کیا ہے بلکہ اسے فرائض میں سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے، اس طرح کہ انہوں نے (خلیفہ کے تقرر کے معاملے کو حل کرنے کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کو موخر کر دیا''۔ (الصواعق المحرقۃ)

جب کہ اسی حوالے سے علامہ طبریؒ حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں:

''جب میں فوت ہو جاؤں تو تین دن تک مشورہ کرو اور چوتھا دن نہ آنے پائے کہ تمہارا ایک خلیفہ مقرر ہو''۔ (المفردات للراغب الاصفھانی)

امام نسفیؒ مسلمانوں کے لیے قرآن و سنت کے مطابق حکمرانی کرنے والے امام و خلیفہ کی ضرورت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مسلمانوں کے لیے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو احکامات نافذ کرے، حدود کو قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، صدقات وصول کرے، سرکشوں، چوروں اور ڈاکوؤں پر قابو پائے اور جمعہ وعیدین کو قائم کرے، وغیرہ''۔ (شرح العقائد النسفیہ)

امام ابن تیمیہؒ اقامتِ خلافت کو فرائض دینیہ میں سب سے بڑا فریضہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی یہ جان لینا ضروری ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی وریاستی) معاملات کے لیے ولایت (خلافت و حکومت) دینِ اسلام کے فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن نہیں ہے''۔ (السیاسۃ الشرعیۃ)

وہ مزید فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو واجب کیا ہے اور یہ طاقت و امارت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام وہ احکامات جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے یعنی جہاد، عدل کا قیام، حج، جمعہ وعیدین کی اقامت، مظلوم کی مدد اور اقامتِ حدود (یہ سب معاملات) طاقت و امارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے ہیں''۔ (مجموعۃ فتاویٰ لابن تیمیہؒ)

امام علاء الدین الکاسانی الحنفیؒ لکھتے ہیں:

''امام اعظم (خلیفہ) کا تقرر فرض ہے، اہل حق کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں''۔ (بدائع الصنائع)

''فرضیتِ خلافت'' فرضِ عین یا فرضِ کفایہ:

ایک سوال یہ اُٹھتا ہے کہ فرضیتِ خلافت سے کون سا فرض ہے؟ فرضِ عین یا فرضِ کفایہ؟ اگر بالفرض اسے فرضِ کفایہ بھی لیا جائے تو فقہا کے نزدیک اور علمائے اصول کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ فرض کفایہ مقررہ مدت میں ادا نہ کیا جائے تو وہ فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ خلافت کا قیام ابتداً فرض کفایہ ہے لیکن اگر مقررہ مدت (تین دن) کے اندر کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں گے تو فرضِ عین ہو جائے گا۔

جیسے جہاد ابتداً فرض کفایہ ہے لیکن مقررہ مدت میں کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں تو فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اور جب تک اسے ادا نہ کیا جاے سب لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔ جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے، لیکن مقررہ مدت میں کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں تو فرضِ عین ہو جاتا ہے اور تمام لوگ عدم ادائیگی کی وجہ سے گناہ گار ہوتے ہیں۔

بیسویں صدی کے پہلے ربع میں خلافتِ عثمانہ کے سقوط کے بعد سے آج تک نظام خلافت معطل ہے اور خلیفہ کا تقرر نہیں ہو سکا ہے۔ مذکورہ دلائل کی روشنی میں نظامِ خلافت کا احیا اور خلیفہ کا تقرر اس وقت سے آج تک فرض عین ہے جیسے نماز روزہ فرضِ عین ہے۔ جس کا جلد از جلد ادا کرنا تمام مسلمانوں کے ذمے باقی ہے۔

سقوطِ خلافت کے نقصانات:

نظامِ خلافت کے سقوط کے بعد سے آج تک مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ دنیا کے سامنے ہیں۔ آج امت مسلمہ کا وجود بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کے انہدام کے بعد پوری دنیا میں اسلامی قوانین معطل، نظامِ جہاد درہم برہم، مرکز کا فقدان، اسلامی دنیا چھوٹے چھوٹے ممالک میں منقسم، کافر قوتوں کا فکری، سیاسی، عسکری و اقتصادی غلبہ اور بے بس و مجبور مسلمان دنیا کے ہر کونے میں مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں۔

آج پوری ملت اسلامیہ' علیکم بالجماعة"تم پر جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا فرض لازم ہے" کے حکم پر عمل پیرا نہ ہونے کے باعث نا صرف یہ کہ ملک اور گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے بلکہ ید اللہ علی الجماعة"جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے" کی بشارت اور اللہ کی نصرت سے بھی محروم ہو گئی۔

اور جب یہ سارے تنزل کے مراحل طے ہو چکے تو فوراً شیطان اور اس کے ایجنٹ یہودیوں نے ملتِ اسلامیہ کو اپنی سازشوں کی دلدل میں گھسیٹ لیا۔ پھر امت مسلمہ کا رہا سہا اسلام بھی جاتا رہا۔ اب وہ نام کے تو مسلمان ہیں مگر انہوں نے اپنی زندگی میں غیر اللہ کے قانون کو اپنایا ہوا ہے۔

اگر آج ہم حقیقت حال کا جائزہ لیں تو یہ زبوں حالی اصل میں عذابِ الٰہی ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ آج ہم اللہ کے دین کی صحیح نمائندگی نہیں کر رہے، ہم زمین پر اللہ کے دین کے نمائندے بنائے گئے تھے لیکن آج ہم پوری دنیا میں کوئی ایک ملک بھی بطور ماڈل نہیں دکھا سکتے جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ لوگو! آؤ یہ ہے نظام خلافت، یہ ہے نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، یہ ہیں اللہ کے دینِ حق کے قیام کی برکات! لہٰذا آج ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔

اس عذاب سے نکلنے کی ایک ہی صورت اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ... جو ہمارے لیے مینارۂ نور ہے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان رجوع الی اللہ کرتے ہوئے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلامی نظام حیات کے مطابق ڈھالیں اور خلافت کے قیام کے لیے انتہائی جدوجہد کریں اور کم از کم دنیا کے کسی ایک ملک میں صحیح اسلامی نظام قائم کر کے دکھا دیں اور پھر دنیا کو دعوت دیں کہ آؤ دیکھو! یہ ہے "اسلام" اور یہ ہے "خلافت"۔

رائج الوقت نظام (سیکولرازم) بمقابلہ دینِ اسلام (نظام خلافت):

اگر ہم انسانی زندگی کو دیکھیں تو اس کے دو حصے ہیں ان میں سے ایک حصہ فرد کی انفرادی زندگی سے متعلق ہے۔ موجودہ زمانے میں فرد کو آزاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ "سیکولرازم" میں ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے عقائد اپنا لے، چاہے وہ ایک خدا کو مانے، چاہے سو کو مانے، یا ہزار کو مانے، چاہے کسی کو بھی نہ مانے۔ اسی طرح چاہے بتوں کے آگے سجدہ کرے یا ایک نادیدہ خدا کی عبادت کرے۔ چاہے روزے رکھے، نماز پڑھے، چاہے مندر میں جائے یا چرچ میں...اس کو اجازت ہے۔ اسی طرح شادی کے موقع پر چاہے نکاح پڑھوائے، چاہے پھیرے ڈلوائے، فوت شدہ شخص کی میت کو چاہے دفن کیا جائے، چاہے اسے جلا دیا جائے۔

جب کہ زندگی کا دوسرا حصہ اجتماعی نظام یعنی تہذیب و تمدن، ریاست اور سیاست، معیشت اور معاشرت سے متعلق ہے۔ سیکولر نظام میں اس کے اصول و ضوابط خالصتاً انسانی عقل کی بنیاد پر رائے شماری (جمہوریت) کی بنیاد پر بنیں گے۔

اگر ہم دینِ اسلام کو دیکھیں تو وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ وہ زندگی کے انفرادی گوشوں کے متعلق بھی ہدایت دیتا ہے اور اجتماعی معاملات میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ جہاں تک اسلام کے انفرادی گوشوں کا تعلق ہے تو مغرب کو کسی حد تک قابل قبول ہے اور وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے امریکہ میں آکر یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں خریدیں اور انہیں مسجد بنا لیا، ہم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مسلمانوں نے امریکہ اور یورپ میں آکر بڑی تعداد میں لوگوں کو مسلمان کر دیا ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس لیے کہ بحیثیت انفرادی زندگی ان کی اسلام سے کوئی خاص جنگ نہیں ہے۔

ان کا تو یہاں تک معاملہ ہے کہ وہ رمضان المبارک میں مسلمانوں کو وائٹ ہاؤس میں بلا کر "افطار پارٹی" بھی دے دیتے ہیں اور عید سے پہلے مسلمانوں کے ڈاک ٹکٹ ایشو کر دیتے ہیں، انہیں اس میں بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی... لیکن ایک "نظام" کی حیثیت سے اسلام انہیں قطعاً گوارا نہیں ہے۔ اسلام کے اسی تصور کو "بنیاد پرستی" **Fundamentalism** کا نام دیتے ہیں۔ اور اس وقت جس نے بھی اسلام کو ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے نافذ کرنے کی بات کی ہے اس پر چڑھ دوڑے ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کا نعرہ لگاتے ہیں تو کبھی "بنیاد پرستی" کے خلاف جنگ کا۔ حقیقت میں یہ جنگ "اسلام کے نظام حیات" یعنی "اسلامی نظام خلافت" کے خلاف ہے۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ نور اللہ مرقدہ

مستقبل قریب میں نظام خلافت قائم ہو کر رہے گا

اس وقت امریکہ اور اس کے حواری اس بات پر تُل گئے ہیں کہ دنیا میں کہیں اسلامی نظامِ خلافت کا ظہور نہ ہو۔ آج پوری مغربی دنیا پر بالفعل یہ خوف طاری ہے کہ کہیں دنیا کے کسی کونے میں شرع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی ظہور نہ ہو جائے۔ یہ وہی بات ہے جو علامہ اقبال نے ابلیس کی زبان سے کہلوائی تھی۔

؎ عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

یہ وہی چیز ہے جس کی خوش خبری الصادق والمصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا سچ کہا اور وحی کے مطابق کہا اور جو ذرہ برابر بھی ان کی بتائی ہوئی باتوں پر شک کرے اس کا ایمان کسی قابل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”کُل روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا، نہ اونٹ کے بالوں کے کمبلوں سے بنا ہوا خیمہ ... جس میں اللہ تعالیٰ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے، خواہ کسی عزت دار کو عزت دے کر اور خواہ کسی ذلت والے کو ذلیل کر کے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ انہیں عزت دے گا اور اہل اسلام میں داخل کرے گا یا انہیں مغلوب کر دے گا چنانچہ وہ (جزیہ دے کر) اسلام کی بالادستی قبول کر لیں گے!“۔

پھر راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا

> ”پھر تو دین (نظام) کُل کا کُل اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جائے گا“۔(مسند احمد بن حنبل)

اور اس خطے کے لیے جس میں ہم موجود ہیں مزید یہ خوش خبری بیان کی:

> ”خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور انہیں کوئی طاقت واپس نہیں پھیر سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیاء (یعنی بیت المقدس) میں نصب کر دیے جائیں“۔(جامع ترمذی)

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ”تمہارے مابین نبوت موجود رہے گی، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ خود اپنی ذات کی جانب تھا) جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے اُٹھا لے گا۔ اس کے بعد نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی اور یہ بھی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ قائم رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے بھی اُٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی (یعنی ظالم) ملوکیت آئے گی اور وہ بھی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے بھی اُٹھا لے گا۔ پھر مجبوری کی ملوکیت (غالباً مراد ہے مغربی استعمار کی غلامی) کا دور آئے گا اور وہ بھی رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے بھی اُٹھا لے گا اور پھر دوبارہ نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی! راوی کے قول کے مطابق اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی“۔(مسند احمد)

لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم علی منہاج النبوۃ ”نبوی طریقے پر“ کی طرز پر اسلامی نظام خلافت کے قیام کی کوشش کریں۔ اور ان تمام طریقوں کو چھوڑ دیں جو باطل سے مستعار لیے گئے ہوں۔ کیونکہ فرض کا طریقہ ہمیشہ سنت ہی سے ملتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے علیکم بسنتی ”تم پر میری سنت (طریقہ) پر عمل کرنا واجب ہے“۔ لہٰذا سنت پر عمل لازم ہے۔

صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ

> ”ہمیں نصیحت فرمائی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نصیحت جس کو سن کر (ہمارے) دل دہل گئے اور (ہماری) آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت تو گویا رخصت ہونے والے کی وصیت لگتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی اور اپنے امیر کے احکام سننے اور قبول کرنے کی، خواہ وہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت (طریقہ) کو اپنے اوپر لازم کر لو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (طریقہ) کو۔ اور اس کو دانتوں سے مضبوط تھام لو اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو، کیوں کہ ہر نئی جاری کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے“۔(ابوداؤد، ترمذی)

ان تمام باتوں سے یہ راہ نمائی ملتی ہے کہ نئے طریقے ڈھونڈنا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرض کا طریقہ واضح نہیں کیا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہوتے ہوئے اس کو نا قابل عمل سمجھتے ہوئے عمل نہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکذیب ہے اور اسے بدعت وضلالت کہا گیا ہے، جس کا انجام دوزخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

لا يصلح آخر هذه الامة الا بما يصلح بي اولها

"اس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر اسی طریقے پر جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی"۔

لہٰذا اگر ہماری منزل اسلامی نظام خلافت ہے تو طریقہ محمدی ہی سے اس منزل پر پہنچا جا سکتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"درحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔

لہٰذا آج ہمیں نظام خلافت کے احیا کے لیے جمہوریت، انتخابات اور دیگر نئے طریقوں کو چھوڑ کر منہج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ بقول علامہ اقبال:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ

منہج نبوی پر چلنے والی حزب اللہ کی "جماعت سازی" کا واحد طریقہ:

"بیعت" کی بنیاد پر منظم جماعت:

آج ہم اسلامی نظام (نظام خلافت) قائم کرنا چاہتے ہیں تو اب ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی صرف ایک منبع و سرچشمہ ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ ایمان لے آئے، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظم کیا اور ان کی تربیت کی۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت کی بنیاد پر جو جماعت بنی وہ دنیا کی مضبوط ترین جماعت ہے۔ جس کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الفتح:۲۹)

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں"۔

اس جماعت میں کسی نے جمہوری طریقے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جماعت کا صدر منتخب نہیں کیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے کی حیثیت سے اور داعی ہونے کی حیثیت سے خود بخود امیر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ (آمنا وصدقنا) "ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی" کے اصول پر عمل پیرا تھے اور اس کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ماننا واجب الاطاعت اور ایمان کا لازمی تقاضا تھا۔

اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مختلف مواقع پر "بیعتِ سمع و طاعت" اور "بیعتِ جہاد" لے کر "اسوہ" (نمونہ) قائم کیا تا کہ مستقبل میں اسلامی جماعت سازی کا طریقہ معین ہو سکے اور آئندہ اس فرض کی ادائیگی کے لیے اُٹھنے والی جماعت انگریزوں سے، روسیوں سے، جرمنوں سے کوئی طریقہ مستعار نہ لیتی پھرے بلکہ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (طریقہ) موجود ہو۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی جماعت اُٹھے وہ جماعت حد درجہ منظم اور سمع وطاعت کے اصول پر پوری طرح عمل پیرا ہوگی۔ جس میں صرف ایک استثنیٰ ہوگا کہ شریعت کے خلاف کوئی حکم دیا جائے گا تو نہیں مانیں گے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں ہے:

انما طاعة فی المعروف (صحیح بخاری)

"اطاعت صرف معروف میں لازم ہے"۔

باقی شریعت کے دائرے کے اندر جو بھی نظمِ جماعت کے تحت فیصلہ ہوگا وہ ہمیں قبول کرنا ہوگا اور اس پر عمل کرنا ہوگا۔ اس "سمع وطاعت" کا نام ہی "بیعت" ہے۔

"بیعت" قرآن حکیم کی روشنی میں:

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت سازی کے لیے بیعت منصوص بھی ہے چونکہ اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:۱۸)

"اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے"۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللهَ فَسَيُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح: ۱۰)

"جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا"۔

"بیعت" سنت نبوی کی روشنی میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے جو بیعت لی اس کے الفاظ احادیث میں نقل ہوئے ہیں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں آئی ہے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت فرماتے ہیں:

بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع ولطاعة في العسر واليسروالمنشط والمكره وعلى اثره علينا وعلى ان لا ننازع الامر اهله وعلى ان نقول بالحق اين ماكنا لا نخاف في الله لومة لائم(بخاری ، مسلم)

"ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم سنیں گے اوراس کی اطاعت کریں گے، مشکل میں بھی اور آسانی میں بھی، چاہے طبیعت آمادہ ہو چاہے طبیعت پر جبر کرنا پڑے، چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور جن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم امیر بنائیں ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں اور یہ کہ جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے، اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کے خوف سے زبان پر تالا نہیں ڈالیں گے"۔

اسی طرح ۵ھ میں غزوہ احزاب میں خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرامؓ آواز ملا کر یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

نحن الذی بایعوامحمدا

علی الجهاد مابقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر رہتے دم تک جہاد کے لیے بیعت کی ہے"۔

"بیعت" اسلاف کے عمل میں:

اور یہ ماثور بھی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لے کر بیسویں صدی کے آغاز تک مسلمانوں کی ہر اجتماعی جدوجہد اسی بیعت کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ خلافت کا نظام قائم تھا تو اسی بیعت کی بنیاد پر، حضرت ابو بکر، عمر، عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت منعقد ہوئی تھی۔ یزید کے خلاف اگر حضرت حسینؓ کھڑے ہوئے تھے تو وہ بھی بیعت لے کر، عبد اللہ بن زبیرؓ بھی بیعت لے کر کھڑے ہوئے، حضرت نفس زکیہؒ اور امام زیدؒ بھی بیعت لے کر سامنے آئے۔ پھر انیسویں صدی میں جب نو آبادیاتی نظام (Colonial rule) آیا تو جس ملک میں بھی اس کے خلاف مزاحمت کی تحریک چلی اور یورپی استعمار کے خلاف جہاد کیا گیا تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر ہوا۔ سوڈان میں مہدی سوڈانیؒ، لیبیا میں سنوسیؒ، الجزائر میں عبد القادر الجزائریؒ اور روس میں امام شاملؒ نے بیعت کی بنیاد پر لوگوں کو جہاد کے لیے منظم کیا۔ اس ضمن میں سے بڑی جہادی تحریک "تحریکِ شہیدین" جو ہندوستان میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اٹھائی وہ بیعت کی بنیاد پر ہی تھی۔

منہج نبوی کے مراحل:

اعلانیہ ہدف:

چنانچہ آج جب بھی جماعت اس کام کے لیے کھڑی ہو گی اُس جماعت کا اعلانیہ ہدف منکرِ اعظم (باطل نظام) کو ختم کرنا ہو گا اور اس کی اعلانیہ دعوت پورے کے پورے دین کی ہو گی۔ بالفاظِ دیگر طاغوتی نظام یا غیر اللہ کی حاکمیت کا خاتمہ کرنا ہو گا جس کے نتیجے میں خلافت کا نظام تشکیل پاتا ہے۔ اگرچہ موجودہ حالات میں کرنے کے اور بھی بہت سے اچھے اچھے کام ہیں۔ چنانچہ علمی، تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی سلسلے اور خدمتِ خلق' یہ سب کام مبارک ہیں' ان میں سے ہر ایک کام کرنا بہت اچھا ہے لیکن آپ یہ کہہ لیں کہ یہ سارے کام اس ایک کام میں بالقوۃ موجود ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ سے ثابت ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے اندر جہاں دورِ جاہلیت میں منکرات ہر طرف شعبہ زندگی اور ہر سطح پر بدرجۂ اتم موجود تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس دور کے منکرِ اعظم (بت پرستی) جو کہ باطل نظام کی اصل جڑ اور بنیاد تھی کو اپنا ہدف نکیر بناتے ہوئے 'لا الہ الا اللہ' کا نعرہ لگایا۔ اور پھر اس کے خاتمے کے بعد وحیٔ الٰہی کی روشنی میں توحید کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کی جس کی بنیاد پر خلافت کا ایک عظیم الشان نظام معرض وجود میں آیا اور تمام منکرات کا خاتمہ ہوا۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ(سورہ یوسف:۴۰)

"حاکمیت کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو نہیں"۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری!

یہ نظریۂ توحید ہی ہے جو انسانی حاکمیت کی ہر شکل کی نفی کرتا ہے۔ انسانی حاکمیت نہ تو فردِ واحد کی بادشاہت کی شکل میں قابلِ قبول ہے نہ کسی قوم کی دوسری قوم پر حاکمیت کی شکل میں، جیسے انگریز ہم پر حکمران ہو گیا تھا۔ اور نہ ہی عوام کی حاکمیت جائز ہے۔ حاکمیت (Sovereignty) کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور انسان کے لیے خلافت ہے۔ حاکمیت کی دوسری تمام صورتیں شرک ہیں اور دورِ حاضر میں "جمہوری حاکمیت" (Popular Sovereignty) کا تصور بدترین شرک ہے۔ شارع (قانون ساز) صرف اللہ تعالیٰ ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نمائندے ہیں۔ اب بتایئے اس نعرۂ توحید سے بڑا کوئی انقلابی نعرہ کیا ہو گا کہ 'لا الہ الا اللہ' (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) یعنی لا حاکم الا اللہ!

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

فرضیتِ خلافت اور اس کے قیام کا نبوی علی صاحبہا السلام طریقہ کار

مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ نور اللہ مرقدہ

منہجِ نبوی کا پہلا مرحلہ:

دعوت:

اس مرحلے میں جماعت کے ہر شخص نے باطل نظام کے خلاف اس نظریہ توحید کا پرچار کرنا ہو گا اور باطل کی طرف سے دیے جانے والے کسی بھی قسم کے طنز و تشدد کا خوف یا کسی بھی قسم کی دی جانے والی پیش کش کی لالچ میں آکر نرمی یا معاونت (Compromise) کا اظہار نہیں کرنا بلکہ صبر و استقامت کا پہاڑ بنتے ہوئے اس نظریہ پر علی الاعلان لوگوں کو بلانا ہو گا:

فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءهُمْ (سورۃ الشوریٰ:۱۵)

"اے نبی! اسی کی دعوت دیجیے اور ڈٹے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے"۔

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ O وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (سورۃ القلم:۹۔۱۰)

"وہ (باطل پرست) تو چاہتے ہیں کہ ذرا آپ نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ ہر گز نہ دباؤ میں آیئے کسی ایسے شخص کے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے"۔

جب کہ اس نظریہ کے خلاف باطل کی طرف سے کیے جانے والے کسی پروپیگنڈہ یا طعن و تشنیع سے اعراض کرنا ہو گا تاکہ تحریک کو اپنا نظریہ عام کرنے کے لیے کچھ وقت مل سکے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ O إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ O الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ O وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (الحجر:۹۴۔۹۸)

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اب آپ علی الاعلان سنایئے وہ کہ جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اور مشرکوں سے اعراض کیجیے اور ہم آپ کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کے خلاف کافی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور دوسرے معبود اختیار کر لیے ہیں۔ پس عنقریب وہ جان لیں گے، اے نبی! ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان باتوں کی وجہ سے جو وہ کہہ رہے ہیں"۔

اسی طرح پوری جماعت کے ساتھیوں کو (رحماء بینھم) کی بنیاد آپس میں منظم کرنا ہو گا اور دعوتِ حق کی راہ میں آنے والے مصائب اور مشکلات کے موقع پر صبر و مصابرت کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال رکھنے کا خوگر بنانا ہو گا۔

'دعوت' سیرتِ نبوی کی روشنی میں:

چنانچہ جب ہم سیرت نبوی کے حوالے سے دیکھتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نظریۂ توحید پیش کیا تو پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کردار کشی کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور مجنون کہا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ یہی دعوت دیتے رہیں۔

مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (القلم:۲)

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں"۔

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر گئے اور قریش کی ان زبانی ایذا رسانیوں کے جواب میں یہی دعوتِ توحید پیش کی۔ پھر جب قریش کے کہنے پر ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتِ توحید دینے پر شکوہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کہا کہ اگر یہ صرف ایک فقرہ کہہ دیں تو پورا عرب ان کا غلام ہو جائے اور وہ فقرہ ہے 'لا الہ الا اللہ'۔

اس کے بعد دعوتِ توحید کے مقابلے میں جب قریش نے تشدد کا راستہ اختیار کیا تو ابو طالب نے انتہائی پریشانی کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوتِ توحید سے باز رہنے کا کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"چچا! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ چاند، اور کہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو یہ کام وراہو گا یا میری جان بھی اسی راہ میں کام آئے گی"۔

پھر جب تشدد سے کام نہ چلا تو قریشِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لالچ کی پیش کش کی۔ اور اس دعوتِ توحید سے باز رہنے پر اپنا بادشاہ اور سردار بنانے کی پیش کش کی تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ سجدہ کی تلاوت کر کے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

اس کے بعد قریشِ مکہ نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک

سال اللہ کی عبادت کرنے اور ایک سال اپنے بتوں کی عبادت کرنے کو کہا تو یہ آیات نازل ہوئیں:

قُلْ یَا أَیُّهَا الْكَافِرُونَ O لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ O وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ O وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ O وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ O لَكُمْ دِینُكُمْ وَلِيَ دِینِ

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کہیے کہ اے کافرو! میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم عبادت کرنے والے نہیں ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم نے عبادت کی، نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین"۔

اگر ہم ان تمام حالات کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہر موقع پر باطل پینترے بدلتا رہا۔ کبھی استہزا، کبھی تشدد، کبھی معاشی، کبھی لالچ اور کبھی مصالحت کی کوشش۔ مگر اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم استقامت کے ساتھ اپنے کام پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ جب ایک مشرک سردار نے حضرت بلالؓ کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹتے ہوئے اپنے پرانے دین پر پلٹنے کو کہا تو اس وقت بھی حضرت بلالؓ کی زبان پر یہی الفاظ تھے:

'اَحد، اَحد' یعنی "وہ (اللہ) اکیلا ہے، وہ (اللہ) اکیلا ہے"۔

اور یہی اس دعوت کا تقاضہ بھی ہے کہ جب تک اس کی بنیاد پر نظام قائم نہیں ہو جاتا اس وقت تک ڈنکے کی چوٹ پر اس کو بیان کیا جاتا رہے اور یہی وہ کام ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم برابر انجام دیتے رہے۔ بالآخر دارالندوہ میں باطل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ اور یہی وہ فیصلہ کن گھڑی تھی جب جماعت 'دعوت کے مرحلے سے نکل کر اقدام کی طرف جاتی ہے۔

لہٰذا جو بھی دعوت اس مرحلے تک پہنچ جائے اور وہ حق پر مبنی بھی ہو اگرچہ معاشرے میں اکثریت نے اسے قبول نہ کیا ہو، اس کے باوجود وہ اس علاقے تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کی بازگشت دوسرے علاقوں تک پھیل جاتی ہے اور اسی کشمکش کے دوران یا تو باطل' قیادت کے قتل کا فیصلہ کر کے فیصلہ کن مرحلہ کا آغاز کر دے گا جس سے مسلح تصادم (قتال) شروع ہو جائے گا یا اس کے برعکس کسی علاقے میں اس نظریہ کے لیے زمین ہموار ہو جائے اور وہاں کے لوگ ان کی حمایت اور نصرت کے لیے تیار ہو جائیں تو تحریک کے قائد اور کارکنوں کو اپنی جان کی حفاظت اور اس نظریہ کو معاشرے میں بالفعل قائم کرنے کے لیے اس مقام کی طرف ہجرت کرنا ہو گی۔

لہٰذا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کو اگرچہ اکثریت نے قبول نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے ہو گئے۔

لیکن اس کے باوجود وہ نظریہ مکہ تک محدود نہیں رہا بلکہ مدینہ کے انصار کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نصرت کی۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی نظامِ حیات کی بنیاد رکھ دی۔

منہجِ نبوی کا دوسرا مرحلہ:

جہاد:

اگر پچھلے مرحلے میں گزری ہوئی دعوت کا مقصد (اعلائے کلمۃ اللہ) ہو گا تو دعوت کے دوران جو کشمکش ہوئی ہو گی وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے زمرے میں آئے گی لیکن اب یہ جہاد اپنی بالاترین منزل 'قتال فی سبیل اللہ' تک چلا جائے گا۔ اس مرحلے میں بھی اگرچہ دعوتِ دین انفرادی طور پر جاری رہے گی البتہ یہ دعوت اپنی انفرادی حدود سے بڑھ کر اجتماعی طور پر مختلف قبائل اور جماعتوں سے وفد کی صورت میں ملاقاتیں کرنے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ہو گی جب کہ جماعت کے ساتھیوں کی اب روحانی تربیت کے ساتھ جسمانی تربیت (عسکری ٹریننگ) اور انہیں باقاعدہ ایک نظم کی شکل میں پرو دیا جائے گا۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا (آل عمران: ۲۰۰)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو (ڈٹے رہو) اور صبر میں بڑھے رہو (کافروں کے مقابلہ میں) اور (آپس میں) مربوط رہو"۔

إِنَّ اللهَ یُحِبُّ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَ فِی سَبِیلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنیَانٌ مَّرْصُوص (الصف: ۴)

"اللہ کو تو اس کے وہ لوگ پسند ہیں جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں بنا کر گویا کہ وہ ہوں سیسہ پلائی ہوئی دیوار"۔

اور اس کے ساتھ انہیں طاقت کے حصول اور جہاد کے لیے ابھارا جائے گا:

یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِینَ عَلَى الْقِتَالِ (الانفال: ۶۵)

"اے نبی! آپ جنگ کے حوالے سے مومنوں کو شوق دلاتے رہیے (ترغیب دلاتے رہیے)"۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال:۶۰)

"اے مسلمانو! تم تیاری کرو ان سے لڑنے کے لیے اپنے حد کی قوت کی فراہمی کے ذریعے سے اور پلے ہوئے گھوڑوں کی فراہمی کے ذریعے سے اور اس کے ذریعے سے ڈراتے ہو تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور کچھ اور بھی ہیں ان کو ڈراتے رہو جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے"۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبۃ:۱۱۱)

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

لہٰذا جب باطل نظام پر ضرب پڑے گی اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کے محافظ اپنے نظام کا دفاع کرنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوں گے۔ جس سے بالفعل تصادم (قتال فی سبیل اللہ) شروع ہو جائے گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا (النساء:۷۶)

"وہ لوگ جو کہ ایمان لائے وہ تو جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں تو اے مسلمانو! جنگ کرو ان شیطان کے دوستوں سے اور یقینا شیطان کی چال (ضعیف) کمزور ہے"۔

اور یہ مرحلہ اس وقت تک چلے گا جب تک نظام کُل کا کُل اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال:۳۹)

"اور اے مسلمانو! ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے"۔

جہاد سیرت نبوی کی روشنی میں:

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا 'دارالندوۃ' میں فیصلہ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف جہاں سے نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا ہجرت فرمائی تو اسی دوران یہ آیات نازل ہوئیں:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ○ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ (الحج:۳۹-۴۰)

"اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو کہ جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی تھی اس لیے کہ ان کے اوپر ظلم کیا گیا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کہ نکال دیے گئے اپنے گھروں سے ناحق محض یہ کہنے کی وجہ سے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب 'اللہ' ہے"۔

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی یہود اور مختلف قبائل سے معاہدے کیے، جس کے نتیجے میں کچھ تو حمایت کے لیے آمادہ ہو گئے اور کچھ نے غیر جانب دار رہنے کا وعدہ کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خلاف چھاپہ مار کارروائیاں کر کے باطل نظام کی شہ رگ کو چھیڑا جس کی وجہ سے قتال فی سبیل اللہ کا آغاز ہوا اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (الانفال:۷)

"اور جب کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لیے ہے اور اے مسلمانو! تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں ایک کانٹا تک بھی اس راہ کے اندر نہ لگے اللہ تعالیٰ تو چاہ رہا تھا کہ اپنے فیصلوں کے ذریعے سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور اللہ تعالیٰ کافروں کی جڑ کاٹ دے"۔

اسی دوران میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیر اندازی، نیزہ بازی، گھڑ سواری اور تیراکی کی مشقیں کرنے کی ترغیب دی اور ان کو سمع و طاعت کے نظام کا پابند بنایا۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال:۴۶)

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑنا مت ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ڈٹے رہو بے شک اللہ کی نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اور یہ مرحلہ چلتا رہا تا آنکہ وہ وقت آگیا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء:١٨)

"بلکہ ہم حق کو اٹھا کر باطل پر دے مارتے ہیں پھر وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے اور پھر باطل جو مٹ جانے والا ہوتا ہے مٹ جاتا ہے"۔

اور پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل:٨١)

"اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہیے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل ہے ہی مٹنے والا"۔

چنانچہ جزیرہ نما عرب میں اس نظریہ توحید کی بنیاد پر اٹھنے والی دعوت اب جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ کے نظام کے قیام کی صورت میں پوری ہوئی۔

اگر کسی تحریک یا جماعت کی زندگی میں یہ کامیابی دیکھنے کو مل جائے تو پھر یہ دعوت توحید اب ایک جامع شکل میں دوسری قوموں کے سامنے بھی پیش کی جائے گی۔ جیسے خلافت راشدہ میں بالفعل یہ معاملہ ہوا۔

اس سلسلے میں ایک صحابی حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کے الفاظ قابل غور ہیں جو انہوں نے اس دور کی سپر پاور کسریٰ ایران کے دربار میں کہے تھے:

ان الله ابتعثنا لنخرج الناس من عبادة العباد الى عبادة الله وحده،ومن ضيق الدنيا الى سعتها،ومن جور االاديان الى عدم الاسلام (البدایۃ والنہایۃ:٣٩/٧)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم نکالیں انسانوں کو بندوں کی عبادت سے اللہ وحدہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور (باطل) ادیان کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل کی طرف"۔

پھر اس کے بعد تین صورتیں ہیں جو ان دعوت دینے والی قوموں کے سامنے رکھی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو! یہ ہے 'اسلامی نظام'۔ اب یا تو:

١۔ اسلام قبول کر لو ہمارے بھائی بن جاؤ۔

٢۔ اپنے مذہب پر قائم رہو تو جزیہ دو اور ذمی بن کر رہو۔

٣۔ اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر اب تلوار فیصلہ کرے گی۔

چنانچہ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے اقدامی جہاد شروع ہوتا ہے، جس کا آغاز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روم کی طرف لشکر کشی کرتے ہوئے فرمادیا تھا۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

ان مراحل کے دوران میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ضروری نہیں کہ جو بھی دعوت اٹھے وہ یہ سب مراحل دیکھے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی تحریک کو اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہی کچل دیا جائے، یہ بھی عین ممکن ہے کہ آخری مرحلہ میں آکر اکثریت اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دے اور غلبہ حاصل نہ ہو سکے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کبھی مغلوب نہ ہو سکتی تھی لہٰذا اسے غالب ہونا تھا:

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (المجادلۃ:٢١)

"اللہ نے لکھ دیا ہے کہ بے شک غالب میں آؤں گا اور میرے رسول"۔

لہٰذا اُن کے بعد اٹھنے والی کسی بھی تحریک کو کچلا تو جا سکتا ہے لیکن اگر وہ تحریک صحیح بنیادوں پر اٹھی ہوگی تو پھر کچھ عرصے بعد ہی ایک اور زندہ تحریک کو اللہ تعالیٰ ضرور اٹھاتا ہے اور جو لوگ اس سے پہلے شہید ہو چکے ہوتے ہیں اللہ کے ہاں ان کا اجر محفوظ ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ضروری نہیں کہ یہ حالات ہر تحریک میں یکساں آئیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی تحریک یا جماعت کو شروع ہی میں کسی بھی علاقے سے اللہ کی نصرت مل جائے اور وہ غلبہ حاصل کر لے، جیسا کہ 'طالبان تحریک' میں ہوا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تحریک ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہی ہو، اسی عرصہ میں کوئی اور دوسری تحریک قوت پکڑ جائے تو پھر اس تحریک کا سارا وزن' اس قوت پکڑنے والی تحریک کی جھولی میں ڈال دیا جائے اور مجتمع ہو کر باطل نظام کا مقابلہ کیا جائے۔ اس ضمن میں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ہم منہج نبوی پر چلنے کے پابند ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے۔

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (یوسف:٢١)

"اور اللہ تعالیٰ اپنے معاملے پر پوری طرح سے غالب ہے لیکن لوگوں کی اکثریت جانتی نہیں ہے"۔

وہ جس طرح چاہے فیصلے کرے، اسے اختیار ہے وہ ان تمام معروضی حالات سے بالکل بے نیاز ہے۔

آخری بات:

اللہ تعالیٰ نے جہاں ہمیں یہ مکمل واکمل دین اور ضابطۂ حیات عطا فرمایا ہے وہاں اس نظام کے نفاذ کا عملی نمونہ بھی پیش کر دیا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کی طرح احیائے خلافت کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ آج اور قیامت تک آنے والے ہر زمانے میں اس نظام کے نفاذ کے لیے نئے طریقوں یا مغرب کے دیے ہوئے جمہوری طریقوں کو چھوڑ کر منہج نبوی کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اسی طرح آج قال اللہ و قال الرسول پڑھانے والے علمائے کرام اور ائمہ کرام پر اسی قال اللہ و قال الرسول والے نظام کو منہج نبوی پر عمل کرتے ہوئے اپنی مساجد اور خانقاہوں سے نکل کر آگے بڑھانا لازم ہے۔

آج پوری دنیا میں مسلمان جس حالت میں ہیں وہ ہمارے سامنے ہے۔ ان کے مصائب، مسائل اور پریشانیوں سے ہم واقف ہیں۔ کس طرح امت مسلمہ آج نظریاتی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی غلام ہے۔

اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا، آج ہم دنیا کے ہر خطے میں جس طرح عالم کفر کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں تاریخ نے ایسا کبھی نہ دیکھا تھا، کیا ہم اب مزید ذلت، خواری، محکومی، بے وقعتی، بے بسی اور بے چارگی دیکھنا چاہتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں آج ہی سے اپنے سابقہ گناہوں، کوتاہیوں، غفلتوں اور لاپرواہیوں سے توبہ کر کے یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ ہم آئندہ یہ ذلت و خواری برداشت نہیں کریں گے اور امت مسلمہ کے دکھوں کے مداوے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

آج ہمیں یہ عزم مصمم کرنا ہو گا کہ ہم اغیار کی مادر پدر آزاد اور عریاں تہذیب و معاشرت اور فرسودہ نظامِ حیات کو اپنانے اور اس کی سیاسی، عسکری اور اقتصادی محکومی کو اپنائے رکھنے کے بجائے غلامی کے یہ طوق اپنی گردنوں سے اتار کر اسلامی تعلیمات اور تہذیب و معاشرت اور فرسودہ نظام حیات کو اپنانے اور اس کی سیاسی اور اقتصادی محکومی میں گھرے رہنے کی بجائے غلامی کے یہ طوق اپنی گردنوں سے اتار کر اسلامی تعلیمات اور تہذیب و معاشرت کو اپنائیں گے۔

امت مسلمہ کے دینی اور دنیاوی اجتماعی مسائل کے واحد حل "نظام خلافت" کے احیا کے لیے عملی جدوجہد کریں گے، اس کے لیے ہر قسم کے ایثار اور ہر محبوب چیز کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں گے۔

اس سلسلے میں ہمیں اب بیدار ہونا ہو گا، اپنے اور لوگوں کے اندر 'اقامت خلافت' کی فرضیت اور اس کے لیے عملی جدوجہد کا شعور پیدا کرنا ہو گا۔ ہمیں نظام خلافت کے احیا اور باطل نظاموں کے خلاف کام کرنا ہو گا، اگر آج ہم نے اس کے لیے اقدام نہ کیا تو نا صرف اقامت خلافت کے فریضے کو ترک کرنے والے قرار پائیں گے بلکہ اس کے نتیجے میں امت مسلمہ پر جو مزید تباہی و بربادی اور دینی و دنیاوی خسارہ آئے گا اس کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہوں گے۔

لہٰذا آج ہمیں اس فریضے کی انجام دہی کے لیے نا صرف کھڑا ہونا ہو گا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے تیار کرنا ہو گا تاکہ ایک منظم جماعت جامع منصوبہ بندی اور ٹھوس لائحہ عمل کے ساتھ اس جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کھڑے ہونے اور اس راہ میں اپنا مال و جان قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: فریضہ جہاد اور ہم

خالد بن ولیدؓ کا جسم جس پر ایک بالشت برابر جگہ بھی زخم سے خالی نہیں تھی کس قسم کے جہاد میں چور چور کر دیا گیا تھا؟ مجھے بتاؤ آج امریکہ اور برطانیہ کی نیندیں کس قسم کے جہاد کی وجہ سے ہو گئی ہے؟ امریکہ اور اس کے حواری کس قسم کے جہاد کو دہشتگردی سے تعبیر کر رہیں ہیں؟

میرے مسلمان بھائیوں آج ہم چیخ رہے ہیں اور چلا رہے ہیں، کٹ رہے ہیں گونا گوں مسائل اور بحرانات کا شکار ہیں۔ کیا کبھی ہم نے سنجیدہ طور پر سوچا بھی ہے کہ یہ مسائل اور مصائب کہاں سے آئے ہیں؟ یہ ذلت اور رسوائی کیوں؟ مسلمان ہر جگہ مظلوم کیوں؟ ہم در در بے ٹوکر کیوں کھا رہے ہیں؟

یاد رکھو ان تمام مسائل کے جہاں کئی اور اسباب ہیں وہیں ایک بڑا اور اہم سبب ترک جہاد بھی ہے کہ ہم نے آج جہاد کو ترک کر کے غیروں کی روش کو اختیار کیا ہوا ہے، ہم نے جہاد سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی ہے۔

اگر ہم اسی طرح جہاد سے پہلو تہی کرتے رہے اور خواب خرگوش سے بیدار نہ ہوئے تو یاد رکھنا یہ اہل مغرب اور اہل کفر ہمیں ایسے کچل ڈالیں گے اور ایسے ختم کر دیں گے کہ ہماری داستان تک افسانوں میں نہ ملے گی۔

اٹھو! بزدلی کا کشکول توڑ دو، ایک ہی قوت بن کر میدان کارزار میں اتر کر اعلان کر دو!

نغمہ توحید کو کچھ اس انداز سے گاتے ہیں ہم
خرمن باطل پر گویا آگ برساتے ہیں ہم
رات کی تاریکیاں منزل پہ چھا سکتی نہیں
نور برساتے ہیں تارے جس طرف جاتے ہیں ہم

☆☆☆☆☆

امتِ مسلمہ کا عروج زوال

قاری عبد العزیز شہید رحمہ اللہ

اسلام ایک متحرک دین ہے۔ اس کے عناصرِ ترکیبی میں جمود نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ حرکت پذیری اس کی روح ہے۔ کہاوت ہے 'حرکت میں برکت ہے'۔ جس چیز میں حرکت نہ ہو وہ بے جان سی ہوتی ہے۔ اسلام دینِ برحق ہے۔ یہ اپنے ماننے والوں کو جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کی تعلیم دیتا ہے۔

بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ اسلام کی ابتدا جس قوم اور جس جغرافیائی محل و قوع میں ہوئی، قبل از اسلام اس قوم اور جغرافیائی محل و قوع میں ہی جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کی صفت ودیعت تھی۔ اسلام نے اس کو اور زیادہ مہمیز دی۔ یہ قوم قبل از اسلام دنیا میں پائی جانی والے تمام تمدنی اثرات سے پاک تھی۔ عالمِ عرب خانہ بدوش قوم پر مشتمل تھا۔ ایک طرف ضروریاتِ زندگی کی نایابی نے اہل عرب کو ہمیشہ سرگرداں اور مسافر بنا رکھا تھا اور اس مسافرانہ زندگی کی وجہ سے وہ ہمیشہ جفاکشی پر مستعد رہتے تھے۔ دوسری طرف ضروریاتِ زندگی کی کمی نے ان کے تمدن کو ترقی کرنے نہیں دی (ہم سمجھتے ہیں کہ اسی میں ان کی زندگی کا راز پوشیدہ تھا اس لیے کہ تمدنی ترقی ہی بالآخر قوموں کی موت پر منتج ہوتی ہے)۔ لق و دق ریگستان اور اس میں قیمتی اشیا کی ناپید گی نے کسی بیرونی ہاتھ کو ملکِ عرب کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ عرب کسی بیرونی ملک و قوم کے تمدن، اخلاق اور معاشرت سے متاثر بھی نہ تھے۔ اہلِ عرب بُت پرستی میں غرقابی کے علاوہ دوسری بیرونی قوموں کی فکری کثافتوں سے تقریباً خالی الذہن تھے۔ وہ تھے تو بت پرست مگر آزاد قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اس آزادی میں وہ قول و قرار کے پکّے تھے، معرکہ آرائی اور بہادری و جفاکشی میں یکتائے زمانہ تھے اور اس سے بڑھ کر وہ بیرونی تمدنی و معاشرتی اثرات سے پاک تھے اور انہی سب صفات سے مالامال ہونے کی وجہ سے ان کو مستقبل میں ایک برتر قوم کی حیثیت سے دنیا کے افق پر نمودار ہونا تھا۔

اِنہی صفات کا کمال یہ تھا کہ ان میں سے جن کو اسلام لانے کی توفیق ہوتی تھی ان کو ان صفاتِ عالیہ نے ترکیبِ قومِ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے میں مہمیز دی۔ ان بہادر لوگوں کو مسلمان ہونے کے بعد اسلام کا سچا خوگر بنا دیا اور وہ صرف اور صرف اسلام ہی کے ہو کر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اول اول اس بہادر قوم کو امت مسلمہ میں شامل فرما کر حاکم (حکم دینے والی) قوم کی حیثیت سے دنیا کے افق پر نمودار فرمایا نہ کہ محکوم (حکم ماننے والی) قوم کی حیثیت سے! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ[آل عمران:۱۱۰]

"تم ایک بہترین امت ہو جسے لوگوں کی (رہنمائی) کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

قرآن پاک کی اس آیت میں فرمایا: (خَيْرَ أُمَّةٍ) 'بہترین امت' اور ایک جگہ امت مسلمہ کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے اندر ایک گروہ ضرور ایسا ہونا چاہئے (أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ) 'جو نیکی (خیر) کی طرف بلائے'۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ[الانفال:۲۴]

"مومنو! اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہو جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تمہیں (جاوداں) زندگی بخشتا ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اُس کے رُوبرو جمع کئے جاؤ گے"۔

مذکورہ بالا آیت کا سیاق و سباق اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہمارے لیے جہاد و قتال ہی حیاتِ آفرین ہے۔ در اصل یہ اُمت 'جہادی اُمت ہے۔ اِس اُمت کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اس چیز کی طرف لوگوں کو بلائیں جو زندگی بخشنے والی ہو۔ جس کی طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔ جو چیز اُمت کو زندگی بخشنے والی ہے اس سے زیادہ بھلائی (خیر) اور کیا ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اُمت 'جہادی اُمت ہے اور اُمت کے لیے جہاد سے زیادہ خیر والی چیز اور کوئی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی سے یہی چیز عیاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کی تگ و تاز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن میں شہ سوار اور رات میں ربِّ کریم کے سامنے سربسجود ہوا کرتے تھے۔ ان کے عناصر ترکیبی دنیا جہاں سے مختلف تھے۔ شاعر مشرق نے کہا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا قول تھا ویسی ہی ان کی زندگی تھی۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا گیا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنِ

"آپ قرآن کا عملی نمونہ تھے"۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جیسا کہ ایک اجنبی رہ گزر مسافر ہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اپنے قول کے مطابق عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہی میں فقیری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت گھر میں چراغ جلانے کے لیے تیل تک نہیں تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے مبارک میں اُس وقت بھی گیارہ تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی فقر وفاقہ، جفاکشی اور مجاہدانہ جدوجہد پر مبنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات مبارکہ ہمارے لیے نشانِ عظمت ہے۔

انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی قصر الحمراء تعمیر نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کا واحد تہذیبی و تمدنی مرکز مسجد نبوی مضبوط بنیادوں پر پکّی کرنا تو درکنار اس کی معمولی آرائش بھی نہیں کی۔ جو آج کی زبان میں بیک وقت کارہائے حکومت کے لیے ایوان صدر، وزیر اعظم ہاؤس، پارلیمنٹ، مہمان خانہ، تعلیم و تعلم کے لیے مدرسہ، نمازو جمعہ کے لیے مصلی و محراب اور مجرموں کے لیے قید خانہ ہوا کرتی تھی۔ اس اللہ کے گھر کا بھی ذرا نظارہ کیجیے اور نام نہاد مسلمانوں کے کسی ملک کی پارلیمان اور خود اپنے گھر سے بھی اس کا موازنہ کیجیے۔ شاید ترکیبِ قومِ رسولِ ہاشمیؐ سمجھ آجائے۔ اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی تھی، فرش کچّا تھا، بارش کے موسم میں چھت ٹپکتی تھی اور اس میں کیچڑ ہو جایا کرتا تھا جس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا دھبہ لگ جایا کرتا تھا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بعض صحابہ کرام متمول بھی تھے، ان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد کی آرائش وزیبائش اور تعمیر نو کے لیے کبھی نہیں اُبھارا بلکہ ایک مرتبہ انصارانِ مدینہ نے از خود مسجد کی تعمیر کے لیے بہت سے دینار جمع کیے اور وہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مسجد کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں اور اسے مزین بنانا چاہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے طرز سے ہٹنا نہیں چاہتا۔ میری مسجد کا چھپر ایسا ہو جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا تھا"۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اور حضرت ابو درداءؓ دونوں مسجد کی پیمائش کر رہے تھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تم دونوں کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی مسجد کی تعمیر ملک شام کے طرز پر کرنا چاہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہرگز نہیں" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بس گھاس پھوس اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں اور موسیٰؑ جیسا سائبان ہو"۔

اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: "موت اس سے بھی قریب ہے"۔ کسی نے پوچھا حضرت موسیٰؑ کا سائبان کیسا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب وہ کھڑے ہوتے تو ان کا سر چھت کو لگ جاتا" (حیات صحابہ از مولانا یوسف کاندھلویؒ)

دنیا سے متعلق فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تگ و تاز، ان کے رہن سہن اور تعمیرات کے سلسلے میں طرزِ عمل ترکیبِ قومِ رسولِ ہاشمیؐ کا پتہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی بعثت دنیا کی مادی ترقی و تعمیر کے لیے نہیں کی بلکہ انہیں صرف اپنی بندگی (اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ) "صرف وہ میری ہی بندگی کریں" اور اپنی حاکمیت قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ یہ اللہ کے بندوں کا کام نہیں کہ وہ بندگی اور حاکمیت کے قیام جیسے اعلیٰ وارفع کام چھوڑ کر زمین جوتتے پھیریں۔ یہ تو ان غلاموں کا کام ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ وارفع غلامی منظور نہیں بلکہ انہیں صرف مادیّت کی غلامی پسند ہے۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ابدی قانون ہے کہ جب انسان اپنے خالقِ حقیقی اللہ رب العالمین کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب، اپنا مالک اور اپنا رازق تصور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ اندھوں کی طرح بھٹکتا رہتا ہے۔ اب وہ انسان ہو کر انسان ہی کی غلامی میں ہر وہ کام سرانجام دیتا ہے جو اس سے اس کے جھوٹے آقاؤں کو مطلوب ہوتا ہے۔

یہ نوکری جسے آج مسلمان عزّت سمجھ کر کرتا ہے، یہ ٹیکنیکل کام وہنر جسے آج مسلمانوں کو نہ آنے سے مسلمان نالاں ہیں۔ یہ سب مسلمانوں کے شایانِ شان نہ ماضی میں تھا، نہ آج ہے اور نہ ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ مسلمان حربی سامان تیر، تلوار اور کمان بھی اپنے ہاتھ سے تیّار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ یہ سامانِ حرب اپنے غلاموں سے تیار کرواتے تھے یا اپنی قوت بازو کے ذریعے مالِ غنائم کے طور پر حاصل کیا کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے، یہ کوئی موشگافیاں نہیں۔ افغان مجاہدین نے ملحد روس کے خلاف جنگ روسی افواج سے ہتھیار چھین کر ہی لڑی تھی۔ آج بھی مجاہدین انہی ہتھیاروں سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے لڑ رہے ہیں۔ نہ مجاہدین نے روس سے جنگ لڑنے کے لیے ہتھیاروں کی فیکٹری لگائی تھی اور نہ انھوں نے آج لگائی ہے۔ البتہ کفّار کے غلاموں نے کفر کے تحفظ کے لیے جیسے آج ان کی نوکری کو اپنایا ہے، اسی طرح اِن کے ایجنٹوں نے ہتھیاروں کی فیکٹریاں بھی لگائیں اور ایٹم بم بھی بنایا ہے لیکن اے رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکارو! جان رکھو یہ "اسلامی" بم تمہارا نہیں۔ ہاں یہ "اسلامی" بم اُس دن ان شاء اللہ العزیز تمہارا ہو جائے گا جس دن تمہیں قومِ رسول ہاشمی ہونے کا شعور آئے گا اور اپنے آپ کو پہچان لو گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے مطابق ہجرت و جہاد کو اپنا اُوڑھنا وبچھونا بنالوگے۔ جس طرح مجاہدین اپنی قوتِ بازو سے کفّار کے ہتھیار چھین کر مالِ غنیمت میں شامل کرتے ہیں۔ اس طرح تم بھی اپنے قوتِ بازو استعمال کر کے کفّار کے ایجنٹوں سے "اسلامی" بم چھین لوگے۔ (ان شاء اللہ)

آج مسلمان اپنے مقصد وجود ''ایک معبود حقیقی کی بندگی اور اس کی ربوبیت کے قیام'' کو چھوڑ کر، نجانے کن کن لاحاصل مقاصد کے حصول کے لیے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ وہ ایک سجدے سجھ کر ہزاروں سجدے کر رہے ہیں اور ذلّت و خواری اُٹھا رہے ہیں۔ اس بھنور سے نجات کا ایک ہی راستہ اور ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ دوبارہ اپنے حقیقی معبود کی طرف پلٹا جائے۔ شاعر مشرق نے کہا:

؎ وہ اِک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے........ ہزار سجدوں سے دلاتا ہے آدمی کو نجات

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہجرت و جہاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو قائم فرمایا۔ بعد کے ادوار میں مسلم حکمران اور عوام، دنیا کے دام فریب میں آکر ترکیبِ قومِ رسولِ ہاشمی کے منہج سے روگردانی کرکے دنیاوی تعمیر و ترقی میں مگن ہو گئے۔ انھوں نے اندلس میں قصر الحمراء، قصر الزہراء، بغداد میں شاہی محل، دہلی میں لال قلعہ اور آگرہ میں تاج محل تعمیر کیا جو آج دنیا میں اذکار رفتہ ہیں، جہاں آج چمگادڑوں کا بسیرا ہے۔ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر سے روکا تھا ان کے نام نہاد نام لیواؤں نے اپنی شان و شوکت کے لیے محلات بنانا شروع کر دیے پھر کیا تھا کہ مسلمانوں کو یہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ ان پر چاروں طرف سے دشمن مسلط ہو گئے۔

ترکیبِ قومِ رسولِ ہاشمی کے خمیر میں دنیاوی تعلیم و ترقی نہ تھی۔ اس لیے کہ وہ تو مسافر ہیں ان کا مطمح نظر آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی کامیابی ہے۔ جب کہ دنیاوی تعلیم و ترقی انسان کو اپنا مقصدِ حیات بھلا دیتی ہے اور اسے جمود کا شکار کر دیتی ہے اور بالآخر اُسے فنا کر دیتی ہے۔ آج مسلمان اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے کی وجہ سے جمود کا شکار ہوئے ہیں۔ اسی لیے ان کے تالاب میں کوئی موج نہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب حقیقت بھی ہے کہ بند تالاب میں پانی کا ذخیرہ زیادہ عرصہ تک صحیح سلامت نہیں رہتا ہے بلکہ اس میں کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض کا قبضہ ہو جاتا ہے اور پانی کا رنگ آہستہ آہستہ بگڑ جاتا ہے پھر اس میں تعفن اُٹھنے لگتا ہے۔ آج مسلم معاشرے کی حالت بعینہٖ یہی ہے۔ یہ آج جمود کا شکار ہے اور مسلم معاشرے کا رنگ صبغۃ اللہ کے رنگ سے بگڑا ہوا نظر آتا ہے اور تعفن اُٹھتا ہوا منظر پیش کر رہا ہے۔ آج نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کی صفت مفقود ہو چکی ہے۔

مسلم معاشرے کو کفریہ تعلیم اور نظریہ نے تعفن زدہ کر دیا ہے۔ اس کفریہ تعلیم و نظریہ نے مسلم معاشرے کو اس قدر بے بہرہ کر دیا کہ حلال و حرام، سچ و جھوٹ، روشنی و اندھیرا اور سود و زیاں کی تمیز ختم کر دی، ایّام جاہلیت پھر سے نئے روپ میں در آئے ہیں۔ جس گمراہی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مٹانے آئے تھے وہی دوبارہ نئی سج دھج اور کرّ و فر کے ساتھ مسلم معاشرے میں نمودار ہو رہی ہے۔ آج گمراہی کے سیاہ اندھیرے مسلم معاشرے میں چھا گئے ہیں جیسے:

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا

''اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے''۔

ہمارے دانش وراس گھٹاٹوپ اندھیرے سے نکلنے کی سبیل وہی تعلیم و ترقی کی پرانی دوا نئے لیبل میں تجویز کرتے ہیں حالانکہ اسی تعلیم و ترقی نے مسلمانوں کو ان کے اپنے میدان عمل یعنی میدانِ جہاد سے کلاس روم کے بند کمرے میں لا کر بیٹھایا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی شان و شوکت اور ان کے قائم کردہ اندلس، بغداد اور دہلی کی بڑی بڑی سلطنتیں اور خلافتیں ایک ایک کرکے لٹتی گئیں بالآخر مسلمان جمود کا شکار ہو گئے اور گمراہی کی دلدل میں پھنس گئے۔

تعلیم و تعلّم کے لیے بند کمرے کا تصور دجّالی تصور ہے۔ یہ بند کمروں کا تصور اسلام میں کہاں سے آیا اور یہ کب رائج ہوا؟ اگر ہم تاریخ کے آئینے میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ جب سے ہم اپنا اصل کام ''جہاد'' چھوڑا، اُسی وقت سے بند کمرہ ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ دراصل یہ بند کمروں کا تصور صلیبیوں اور صیہونیوں کا مرہونِ منت ہے۔ ان صلیبیوں اور صیہونیوں نے کمال ہوشیاری سے یہ تصوّر مسلمانوں میں رائج کیا۔ جب صلیبی لشکروں نے پے در پے مسلم مجاہد قائدین عماد الدین زنگیؒ، نور الدین زنگی شہیدؒ، اسد اللہ شیر کو، صلاح الدین ایوبیؒ اور ظاہر بیبرسؒ کے ہاتھوں شکست کھائی، آخری صلیبی جنگ میں صلیبیوں کا جنرل فرانسیسی بادشاہ لوئس گرفتار ہوا اور جب مسلمانوں نے اُسے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو اس نے کہا کہ

> ''تلوار اور ہتھیار کی طاقت سے مسلمانوں کو کبھی زیر نہیں کیا سکتا کیونکہ ان کا عقیدہ و ایمان بہت مضبوط ہے جو انہیں جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور وہ دین کی خاطر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ اب ہم اپنے اس طریقہ کو بدلیں اور کوئی ایسا طریقہ اپنانے کی کوشش کریں جس سے ان کے عقیدۂ راسخہ پر زد آئے، ان کا ایمان کمزور اور متزلزل ہو جائے''۔

اس کے علاوہ اس نے اور کئی تجاویز پیش کیں ان میں ایک اہم تجویز یہ تھی کہ

> ''تحقیق و ریسرچ کے نام پر دینِ اسلام پر اعتراضات کیے جائیں اور مسلمانوں کو اپنے عقائد کے سلسلے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا جائے''۔

اس طرح صلیبی جنگ کا پانسا پلٹا، صلیبیوں نے نئی کروٹ لی اور مسلمانوں کو 'عسکری میدان' سے فکری میدان (بند کمروں) کی طرف دھکیل دیا حالانکہ صلیبیوں اور صیہونیوں نے اپنا عسکری میدان بالکل نہیں چھوڑا بلکہ وہ خفیہ تیّاری کرتے رہے۔ ساتھ ہی انہوں نے ''تحقیق و ریسرچ'' کے میدان میں مستشرقین کا ایک گروہ مسلمانوں کے

بالمقابل لا کھڑا کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اُلجھا کر تحقیق در تحقیق کے دامِ فریب میں لایا جا سکے۔ سادہ لوح مسلمان 'صلیبیوں کے چال میں آتے ہوئے اپنے حقیقی میدان 'میدانِ جہاد کو چھوڑ کر تحقیق و ریسرچ کے نام پر تاحیات بند کمروں کے باسی ہو گئے۔ اب جہاد ان کے لغات میں ناپید نظر آنے لگا۔

آج دجّال نے تعلیم کو بہت سے خانوں میں تقسیم کر کے کسی ایک خانے میں جم کر بیٹھنے کا تصور دیا اور یہی باور کروایا کہ یہی تمہاری کل کائنات ہے۔ پندرہ بیس سال لگوا کر کسی ایک شعبہ میں تخصص کروانا دجّال کی دی ہوئی سوچ ہے۔ دجّال نے تخصص (اسپیشلائزیشن) کرنے والے متخصصین (اسپیشلسٹ) کو اپنے کیریئر کے چکّر میں ڈال دیا مگر یہ کیریئر بھی کیا خوب ہے! تین چار جگہ ہاتھ مارنے پر بمشکل روٹی میسّر آتی ہے!!!

دوسری طرف اسورہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت معلم، شہہ سوار، اور قائد و حکمران تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہمارے لیے نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہمہ وقتی تھی جو کچھ پڑھتے اور پڑھاتے تھے وہی میدانِ کارزار میں لاگو فرماتے تھے۔ مگر ہمارے علمائے کرام و فضلائے عظام قال اللہ و قال الرسول پڑھنے اور پڑھانے والے اور ہجرت و جہاد کے ابواب ازبر کرنے کے باوجود 'دجّال کے بند کمرے والی سوچ کو اپنائے ہوئے 'ترکیبِ قومِ رسولِ ہاشمی' سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں۔ چنانچہ جو کام وہ (دجّالی قوتیں) کر رہی ہیں وہی کام ہم بھی کر رہے ہیں۔ دجال نے تعلیم کو مختلف خانوں میں تقسیم کر کے تخصّص کے مختلف شعبے قائم کیے تو ہم نے بھی اس کی دیکھا دیکھی تخصّص کے بیسیوں مختلف شعبے قائم کر کے دجال کے قدم بقدم چلنے کا عندیہ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دو ہی شعبے جات میں منقسم تھی ایک قرآن کی نظری تعلیم اور دوسری سنت کی عسکری تعلیم۔

یہاں بیسیوں شعبہ جات کے تحت مفکر، محقق و اسلامی اسکالر وغیرہ تو تیار کیے جاتے ہیں مگر کوئی ایک مجاہد تیّار نہیں کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مفکرین و محققین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مجاہدین کی تیّاری ہو، جس طرح دجالی تعلیم کے تحت سائنس و ٹیکنالوجی میں تخصّص کرنے والے اپنے کیریئر میں لگے ہوئے ہیں تو ہم بھی ان ہی کے اداروں سے اسلامیات کے کسی ایک شعبے میں تخصّص کر کے اپنے کیریئر کے منحوس چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان فرق کیا رہا؟ شاید وہ جہاد کو دہشت گردی کہتے ہیں اور ہم اسے دہشت گردی نہیں کہتے بلکہ ہم اس میں تعبیر اور تاویل کر کے قلم و زبان تک لے آتے ہیں۔ وہ جہاد کو دہشت گردی کا نام دے کر ہزاروں لاکھوں صفحے سیاہ کر رہے ہیں۔ ہم ان کے اس الزام کی صاف صاف تردید کرنے کی بجائے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اُلٹا جہاد کے معنیٰ، "نری کوشش" اور کبھی "نفس کے خلاف جہاد ہی بڑا جہاد" تو کبھی "جہالت کے خلاف تعلیم کی شمع جلا کر جہاد" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہوئے ہزاروں لاکھوں صفحے سیاہ کر رہے ہیں۔ ان ہزاروں صفحے سیاہ کرنے والے دونوں گروہوں کا دائرہ عمل وہی بند کمرہ ہے۔ چونکہ دجّال کے ایجنٹوں کے پاس دنیاوی وسائل زیادہ ہیں اس لیے وہ ان الزامات کا کام کرسیوں پر ایئر کنڈیشن کمروں میں بیٹھ کر کر رہے ہیں اور ہمارے پاس وسائل کم ہیں اس لیے ہم ذرا سادہ کمرے میں فرش پر بیٹھ کر کر رہے ہیں اور اس احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں کہ کاش ہمارے پاس بھی ایئر کنڈیشن کمرہ میسر ہوتا!!!

ترکیبِ قومِ رسولِ ہاشمی تو یہ تھی کہ مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے ہاتھ میں تلوار اور ان دونوں کو لے کر ہجرت و جہاد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا جاتا نہ کہ تعلیم و ترقی اور اس کے لیے بند کمرہ۔ شاعر مشرق نے کہا:

؎ نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

صد افسوس ہم نے اس فرضیت کو فراموش کر دیا حالانکہ قرآن حدیث میں ہجرت و جہاد کی فرضیت اس قدر واضح ہے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں۔ صرف قرآن پاک میں ہجرت و جہاد سے متعلق کم و بیش چار سو سے پانچ سو آیتیں ہیں۔ علمائے کرام جانتے ہیں کہ وہ آیتیں ہر طرح کے الفاظ یعنی صیغوں میں وارد ہوئے ہیں مثلاً صیغہ امر و نہی، حاضر و غائب، معروف، صیغہ فعل ماضی و مضارع، معروف و مجہول میں آئے ہیں۔ ان کے علاوہ ہجرت و جہاد کی احادیث کا شمار آٹھ سو سے ہزار تک کے درمیان ہے۔ قرآن پاک کے اس حکم باری تعالیٰ کے بموجب (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ) "تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں" تمام مسلمان بلا تفریقِ مسلک اور بِلا کسی موشگافیوں کے (ماشاء اللہ) روزے اور اعتکاف کا اہتمام کرتے ہیں مگر جہاد کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ اسی قرآن پاک میں اسی لفظ "كُتِبَ" کے ساتھ جو روزے کی فرضیت کی آیت میں وارد ہے (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ) "تم پر قتال (جہاد) فرض کیا گیا" آیا ہے۔ اِس کے علاوہ (حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ) "مؤمنوں کو قتال (جہاد) پر اُبھارو" اور (قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) "(مسلمانو) تم اللہ کی راہ میں قتال (جہاد) کرو" کا حکم صیغہ امر کے ساتھ ہونے کے باوجود نہ تو تمام مسلمانوں کو جہاد کے لیے اُبھارا جاتا ہے اور نہ ہی قتال فی سبیل اللہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ کے علاوہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عملی نمونے بھی ہمارے سامنے ہیں اس کے باوجود ہمارے علماء مفکرین موشگافیاں کرتے ہیں کہ فلاں فلاں شرط پوری ہوگی تو جہاد ہوگا۔ ان کی ان موشگافیوں سے ایسا لگتا ہے کہ (معاذ اللہ) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہمارا فہمِ دین زیادہ ہے۔

(جاری ہے)

امتِ مسلمہ کا عروج زوال

قاری عبد العزیز شہید رحمہ اللہ

ترکیب قوم رسول ہاشمیؐ اور ہمارا فہم دین

دین کے عناصر ترکیبی وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے یا جس نے اپنے دل میں عملی طور پر قرآن اُتار لیا ہو ورنہ فہم دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دیں آمین! اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام:)

"پس حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے"۔

اس سلسلے میں حدیث شریف میں آیا ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (بخاری)

"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے"۔

اسی سلسلے میں کسی شاعر نے کہا:

؎ تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشّاف

حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق نہ دے تو کوئی ولی و بزرگ یا کوئی مفسر و محدث دین کا صحیح فہم نہیں سمجھا سکتے اور نہ ہی کسی کو راہ راست پر لا سکتے ہیں حتیٰ کہ رسول بھی۔ رسول اللہؐ بہت چاہتے تھے کہ اُن کے چچا ایمان لے آئیں مگر آخر دم تک ایمان نہ لائے۔ اس پر اللہ کے رسولؐ رنجیدہ تھے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ

"اے نبیؐ! آپ کسی کو راہ راست پر نہیں لا سکتے خواہ وہ آپ کے محبوب ہی کیوں نہ ہو"۔

آج مسلمانوں کے ساتھ بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ قلب سلیم کے ساتھ ایمان، ہدایت اور قرآن پاک کو اپنے دل پر اتارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی سچی توفیق، اس کی مدد و اعانت مانگنے، اس کی راہ میں نکل کھڑے ہونے اور قرآن حکیم کی طرف صحیح معنوں میں متوجہ ہونے کی بجائے تعلیم اور تعلیم کے نام پر اپنی ساری عمر اس میں غوطہ زنی کرتے رہے ہیں۔ مگر ان کی اس غوطہ زنی نے اب تک انہیں ترکیب قوم رسول ہاشمیؐ ہی نہیں سمجھائی۔ ترکیب قوم رسول ہاشمیؐ انہیں کیسے سجھائی دے جب کہ ان کا رجحان قرآن و حدیث اور اس کی طرف سچے دل سے رجوع کرنے کی بجائے دن رات دجالی میڈیا اور اس میں ہونے والے دجالی تجزیے کی طرف ہو اور اس پر اندھا اعتماد ہو۔ خالص فہم دین تب ہی دل میں اتر سکتا ہے جب تمام دجّالی خرافات ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کیبل، انٹرنیٹ، اخبارات و رسائل اور ان میں نشر ہونے والے تجزیئے اور چھپنے والی تجزیاتی رپورٹوں سے مکمل اجتناب ہو۔ کیونکہ یہ سب طاغوت کے ہتھکنڈے اور ہتھیار ہیں جس سے ہمیں سختی کے ساتھ پرہیز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتِ

"طاغوت سے اجتناب کرو"۔

نبی کریمؐ کے پاس ایک شخص آیا غالبًا اس کا نام عمرو بن ثابت ہے اور کہا: اے اللہ کے رسول ()! أُقَاتِلُ اَوْ أُسْلِمُ "میں قتال کروں یا اسلام لاؤں"۔ نبی کریمؐ نے جواب میں کہا: اَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ "اسلام لاؤ اور قتال کرو یعنی لڑائی میں شریک ہو جاؤ"۔ پھر وہ اسلام لائے اور لڑائی میں شریک ہو کر شہید ہو گئے۔ اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا: عَمِلَ قَلِیْلًا وَ اَجَرَ کَثِیْرًا "اس نے عمل کم کیا اور اجر بہت پایا"۔

دیکھئے! اس صحابیٔ رسولؓ نے صرف کلمہ توحید کا اقرار کیا اور سیدھا میدانِ جہاد کی طرف چلا گیا اور وہیں پر ان کی شہادت ہو گئی۔ انہوں نے نہ تعلیم حاصل کی اور نہ ہی دنیا جہان میں نام کمایا۔ ہاں انہوں نے صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت پالی تھی اور اس پر عمل کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب قرار پائے۔

ایک وہ شخص ہے، جس نے ساری زندگی تعلیم تعلیم کی رٹ لگائی اور اپنے مشن کے طور پر اللہ تعالیٰ کی تمام حدود و قیود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے (مجھے ذاتی طور پر تعلیمی اداروں کا ماحول دیکھنے کا موقع ملا تھا اللہ کی پناہ، مسلمانوں کے تعلیمی اداروں میں بھی مرد و زن کا ایسا اختلاط جہاں شیطان بھی شرمائے) جہالت کے خلاف تعلیمی بھول بھلیوں سے جہاد کرتا رہا مگر اس نے کبھی میدان کارزار کی طرف رخ نہیں کیا اور نہ ہی اس طرف رُخ کرنے کا ارادہ کیا بلکہ دجّالی تجزیے میں پڑ کر اپنے کام ہی کو اصل جہاد سمجھتا رہا اور اس بات پر خوش ہوتا رہا کہ وہ کتنوں کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف لایا۔ حالانکہ وہ جس چیز کی طرف بچوں اور بچیوں کو لایا وہ خود ایک سیاہ اندھیرا ہے۔ مسلمانوں کے لیے وحیٔ الٰہی صرف علم ہے۔ جو قرآن پاک کی صورت میں موجود ہے جس کا سیکھنا مسلمانوں کے لیے فرض

ہے۔ باقی سارے رائج الوقت علم اور اس کی تعلیم خرافات اور اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کیونکہ یہ سب طاغوتی نظام تعلیم کا حصّہ ہے۔ ایسا اندھیرے میں رہنے والا اور اس کو صحیح سمجھنے والا قرآن پاک اپنے دل میں کیسے اُتارے گا اور تعلیم کا اصل مقصد "اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت" کیسے پائے گا؟ اگرچہ وہ قرآن پاک کی شب و روز ہی کیوں نہ تلاوت کرتا ہو۔ قرآن پاک تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے لوگوں کو ہدایت اور اس کی سمجھ دیتا ہے۔ اگر پانی سے بھرے ہوئے گلاس میں کوئی چیز رکھنا یا ڈالنا مقصود ہو تو پہلے گلاس پانی سے خالی کرنا ہو گا۔ اسی طرح بعینہ دل و دماغ میں قرآن حکیم جیسا اعلیٰ و ارفع علم و کلام اُتارنا ہے۔ تو اس کے لیے پہلے دل و دماغ سے تمام خرافات کو خالی کرنا ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سچّی معرفت اور اُس کی کتاب کی حقیقی فہم و سمجھ آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے دنیا کی بھول بھلیوں اور دجّالی ہتھکنڈوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تو ایک اعلیٰ و ارفع نظریاتی کتاب ہے اس کی فہم و سمجھ اس کے منتخب کردہ عملی میدان (پریکٹکل سینٹر) میں عملی مشق (پریکٹکل) کرنے سے آئے گی۔ دجال کے قائم کردہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامیت کا سبق پڑھنے اور پڑھانے سے نہیں آئے گی؟ اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ پریکٹکل سینٹر تو میدان جہاد ہے اس کے علاوہ اِرد گرد میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی صنعت آسمان و زمین، سورج اور چاند و ستارے ہیں جن پر غور و فکر اور تدبر معرفتِ الٰہی کی طرف دعوت دیتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا سلیم القلب انسان ہو ناضروری ہے اور ان کے جیسا عمل ہونا چاہئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اس کی صناعی میں غور و فکر فرمایا تھا اور اپنے وقت کے تمام بتوں اور بت پرستوں سے بیزاری کا اعلان کیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَه، جاِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

"بے شک تمہارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ جب اِن لوگوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اس چیز سے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم پوجا کرتے ہو"۔

اسی طرح ہمیں بھی رائج الوقت زندہ بتوں 'جمہوریت، نظام تعلیم اور سودی معاشی نظام اوران جیسے مغرب کا تراشا دیگر بتوں اور ان کی پیروی سے اعلان براٗت کرنا ہو گا اور میدان کارزار کی طرف آنا ہو گا۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ میدان جہاد ہی مسلمانوں کا اصل میدان عمل (پریکٹکل سینٹر) ہے جس میں دین کا حقیقی فہم اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سچّی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تب ہی تو ایک صحابیٔ رسولؐ نے کھجوریں کھانا چھوڑ کر دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے اس میں گھس جانے کی کوئی پروا نہیں کی۔ تب ہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت میں 'بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق "۔ تب ہی تو ایک صحابیٔ رسول انس بن نضرؓ میدان اُحد میں ایک دوسرے صحابیٔ رسولؐ سے کہتے ہیں کہ فلاں کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو اُحد پہاڑ کے اس جانب سے جنّت کی خوشبو آ رہی ہے۔ تب ہی تو معرکہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے دوران میں جادوگروں کو لمحہ بھر میں رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی تھی اور وہ پکار اُٹھے تھے کہ:

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى

"ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے"۔

ہمیں اپنے فہم دین پر ماتم کرنا چاہئے کہ پوری دنیا کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ شرک عظیم میں مبتلا ہے۔ وہ غلامی کی زندگی گزار رہی ہے۔ انہیں رب کی حقیقی معرفت چاہئے جبکہ دجّال اور ان کے آلہ کاروں نے زندگی کے ہر شعبہ اور ہر میدان کو غبار آلود کر دیا ہے۔ وہ جس کو جس پھندے میں پھنسا سکتا تھا اُسے پھنسا دیا۔ اس نے کسی کو تعلیم کے میدان میں تو کسی کو ہنر سیکھنے میں تو کسی کو ادب و فن کے تخیل میں لگا دیا تو کسی کو بیل کی دم پکڑا دی اور عالم کو علم اور جاہل کو جہل میں غوطہ زنی کرنے میں مصروف کر دیا تاکہ وہ "رب کی معرفت" جو اس کا "مقصدِ حیات" ہے نہ پا سکے۔ حتیٰ کہ دجّال اور اس کے آلۂ کاروں نے جہاد و قتال کو بھی انتہا پسندی (اکسٹریمزم) اور دہشت گردی (ٹیررِیزم) جیسی اپنی خبیث اصطلاحوں کے ذریعے مسلمانوں میں ایک اجنبی چیز بنا دیا تاکہ جہاد کا نام سنتے ہی دہشت گردی اور شدت پسندی جیسے الفاظ ان کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ حالانکہ جہاد 'نماز روزے کی طرح عبادت ہے اور ایمان کے بعد اہم ترین فرض عین ہے۔ جس کے میدان میں اترتے ہی لمحہ بھر میں معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان اس کو چھوڑ کر پتا نہیں کس کس میدان میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ساری زندگی اس دھن میں گزار رہے ہیں۔

؎ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اللھم ارحمنا وارحم سائر المسلمین

اے اللہ! تو ہم پر اور تمام مسلمانوں پر رحم فرما اور دین کے صحیح فہم اور اسکی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرما آمین!

موجودہ زبوں حالی کی وجہ:

ہجرت و جہاد سے پہلو تہی

ہم گزشتہ صفحات میں نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ کی تگ و تاز اور ہجرت و جہاد کا تذکرہ مختصراً عرض کر آئے ہیں جس کی بدولت اسلام کو شان و شوکت ملی تھی۔ بعد کے ادوار میں مسلم حکمران اور عوام دنیا کے دام فریب میں آکر تعلیم ترقی کے ذریعے مادی ترقی کے نشے میں مست ہوگئے، مال و دولت کی ریل پیل و فروانی اور حشمت و جاہ کی چاہت نے انہیں ہجرت و جہاد کے نبوی منہج سے غافل کر دیا، وہ تعلیمات نبویؐ کو فراموش کر بیٹھے۔ پھر کیا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر قعرِ مذلّت نازل ہونا شروع ہوا۔ ان مسلمانوں نے ہجرت و جہاد کے علاوہ سب کچھ کیا۔ انہوں نے محلات تعمیر کیے، سڑکیں بنوائیں، بڑے بڑے کتب خانے اور رصد گاہیں قائم کیں۔ جہاں انہوں نے دنیاوی شان شوکت کے ساتھ بلا شرکت غیر سات آٹھ سو سال تک حکومت کی وہاں دنیا کی محبت نے مسلمانوں کو اس حد تک پہنچایا کہ ان پر ایک وقت ایسا آیا کہ پھر دشمنوں کے خلاف ایک پتھر اُٹھانا تو دور کی بات صرف اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگنے کی ہمت بھی نہیں رہی۔

جب انسان دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کا اسیر ہو جاتا ہے تو اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک دفعہ انسان کا ضمیر مردہ ہو جائے تو انسان کہیں کا نہیں رہتا، جمّ غفیر کی صورت میں بھی وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ اس کی جیتی جاگتی مثال ہمارے سامنے بغداد میں عبّاسی خلفاء اور اندلس میں مسلم حکمرانوں کا آخری دور ہے۔ ان دونوں حکمرانوں کے آخری دور میں مسلمانوں کی عیش و عشرت اور دنیاوی ترقی دیدنی تھی، ان کی تعلیمی ترقی تو آسمانوں کی چوٹی پر پہنچی ہوئی تھی۔ وہ حبُّ الدنیا (دنیا سے محبت) اور کراہیۃ الموت (موت سے نفرت) میں گرفتار تھے۔ بغداد میں مٹھی بھر تاتاریوں نے مسلمانوں کی ترقی کا غرور خاک میں ملا دیا۔ حالانکہ وہ تاتاریوں کے مقابلے میں جم غفیر کی حیثیت رکھتے تھے اگر مسلمان ان تاتاریوں کے خلاف ایک ایک پتھر بھی اُٹھا کر مار لیتے تو تاتاریوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا جا سکتا تھا مگر مسلمانوں کو اُن کے خلاف ایک پتھر اُٹھانے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ تاتاری مسلمانوں کو ایک جگہ پر یہ کہہ کر بیٹھا جاتے تھے کہ یہاں بیٹھے رہو ہم تلوار لے کر آتے ہیں پھر تمہاری خبر لیں گے اور وہ وہیں خوف کے مارے بیٹھے رہتے جہاں تاتاری انہیں بیٹھا کر جاتے تھے اور تاتاری آکر مسلمانوں کے گردنیں اُڑا کر ان کے خبر لیتے تھے۔

یہ حالت مسلمانوں میں کیوں پیدا ہو گئی تھی اِس کی اصل وجہ دُنیا سے پیار، موت سے نفرت اور ہجرت و جہاد سے غفلت تھی۔ جب مسلمانوں میں یہ دو چیزیں دنیا سے پیار اور موت سے نفرت آجائے جس کے نتیجے میں لازمی طور پر مسلمانوں سے دو چیزیں ہجرت و جہاد دور ہو جاتی ہیں باقی نفس پرستی کے علاوہ مسلمانوں میں کچھ نہیں بچتا۔ اگر وہ نفس پرستی کی وہن (بیماری) کے ساتھ ساتھ غلامی میں مبتلا ہو جائے جو کہ نفس پرستی ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب انسان نفس پرستی میں مبتلا ہو جائے تو پھر انسان انسان نہیں رہتا بلکہ وہ انسانیت کے درجے سے گر کر اسفل سافلین کے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ اب وہ دوہری خدائی کی غلامی اختیار کرتا ہے۔ دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے وہ نفس کا غلام تو تھا ہی، اب وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے باغی طاغی دشمنان دین کا غلام بن گیا۔ جس نے رہی سہی کسر پوری کر دی پہلے صرف دل مردہ تھا اور دل میں زنگ لگا ہوا تھا پھر بھی اس انسان کے اندر ذرا حِس باقی تھی، قابل اصلاح تھا اب سرکش باغی طاغی کا غلام ہونے کی وجہ سے ناقابل اصلاح ہو گیا اور اب بالکل ہی بے حس و حمیت ہو گیا۔ اب غلامی نے انسان کو حیوان بنا دیا بلکہ اس سے بھی بدترین بنا دیا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے ہی انسانوں کے بارے میں فرمایا:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف: ۱۷۹)

”ان کا دل تو ہے مگر اس سے کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں تو ہیں مگر ان سے نہیں دیکھتے اور ان کے کان تو ہیں مگر ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں“۔

جب انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اصل معبود کی بجائے دوسرے معبودوں کی بندگی اختیار کرتا ہے تو اس کے اندر ”غیرت و حمیت“ نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اب اگر کوئی ان کی اجتماعیت پر دست درازی کرے، ان کی عبادت گاہوں، تعلیم گاہوں، مساجد و مدارس کو مسمار کرے یا یہ کہ بحیثیت قوم کو یہ کہہ دے کہ فلاں قوم تو چند روپے کی خاطر اپنی ماں کو بھی بیچ دیتی ہے ان کی عورتوں پر دست درازی کرے اور ان کی عزّت و ناموس پامال کرے یا انفرادی سطح پر اسے مار ڈالے یا اس سے سجدہ کروائے یا اس کا جامہ تلاشی لے یا اس کے جوتے اُتروائے یا اس کے بال بچوں کو قتل کرے تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے یا کیا سلوک ہو رہا ہے۔ خواہ وہ قوم اپنے آپ کو تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ گردانیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم یا کوئی شخص نفس پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اپنے نفس کو معبود بنالے تی ہے تو اِن کے پاس علم، فواد اور قوت سماعت ہوتے ہوئے بھی فہم دین، حمیت دین اور غیریت ایمان سے ماوراہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ

پچھلے صفحہ پر سورۃ الاعراف کی آیت گزری ہے کہ وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ یہاں ایک اور آیت پیش خدمت ہے جو رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ ایسے شخص کی کون رہنمائی کرے گا۔

ارشاد ربانی ہے:

اَفَرَئَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه، هَوٰه، وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةًؕ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ

(الجاثیہ:۳۲)

"پھر کیا (اے نبیؐ!) تم نے اس شخص (کا حال بھی) دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے علم کے وجود اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اب کون اسے ہدایت دے گا ؟ کیا تم لوگ سبق حاصل نہیں کرتے ؟"۔

مطلب یہ ہوا کہ نفس پرستوں کو ہدایت بھی نصیب نہیں ہوتی ہے ان کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ خود ان کے حواس خمسہ سلب کر لیتا ہے الا یہ کہ وہ نفس پرستی سے توبہ کر لیں اور اس کے ماحول سے نکل کھڑے ہوں (یعنی وہاں سے ہجرت کر جائیں) اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو غالب اندیشہ ہے کہ وہ دوبارہ اِسی شرک میں مبتلا ہو جائیں۔ ہم ماضی اور حال کی دو مثالیں بیان کرتے ہیں (ان شاء اللہ)۔

اس کی مثال ہم قدیم فرعون کے دور میں بنی اسرائیل کو دیکھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں بیان فرمایا:

یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآئَکُمۡ

"(اے بنی اسرائیل !) وہ (فرعون) تمہیں برا عذاب دیا کرتے تھے اور تمہارے لڑکوں کو ذبح کیا کرتے تھے"۔

(آج ہم برطانوی دور سے تاحال مسلمانوں کو دیکھتے آرہے ہیں) بنی اسرائیل بھی جمّ غفیر کی طرح تھے مگر غلامی کی زندگی نے انہیں "غیرت و حمیت" سے عاری کر دیا تھا اُن کے سامنے اُن کے نومولود بچوں کو ان سے چھین کر قتل کیا جاتا تھا لیکن انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ آج بھی فرعونی طور طریقے موجود ہیں مگر اُن کا دور ذرا پرانا تھا اور بنی اسرائیلیوں کی نفس پرستی اور غلامی کے علاوہ شاید اُن کی ☆جہالت☆اور☆تعلیم یافتہ نہ ہونا تھا۔ آج کا دور ذرا نیا ہے اور تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے۔ آج خاندانی منصوبہ بندی اور بہبود آبادی کے سنہرے نام پر مسلمانوں کے لاکھوں بچوں کا قتل کیا جارہا ہے اور نام نہاد مسلمان بخوشی اس قتل عام میں بڑھ چڑھ کر حصّے لے رہے ہیں۔ ان کی دینی حمیت میں کوئی موج نہیں آتی ہے۔ بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آج مسلمان مغرب کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں مگر آج کی غلامی کل کی غلامی سے کچھ مختلف ہے۔ بنی اسرائیل میں تھوڑی سی حس و حمیت باقی تھی وہ بے بسی کے عالم میں کسی نجات دہندہ کا انتظار میں ماتم کر رہے تھے۔ جیسے ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تو ان کی جان میں تھوڑی بہت جان آگئی تھی ان کی قوم کے بارہ قبیلے ان کے ساتھ ہجرت پر آمادہ ہو گئے اور فرعون اور اس کی فوج کی دشمنی کو مول لیتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر افسوس صد افسوس یہ ہے کہ امت مسلمہ میں اتنی بے حسی و بے حمیتی آگئی ہے کہ غلامی کا شعور تو بعد کی بات ہے، ڈھٹائی سے آقاؤں کی طرفداری کرتے نہیں تھکتے بلکہ امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا اسٹبلشمنٹ کا گروہ اُن کے نظریئے کا محافظ ہے۔ عام مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی ہجرت و جہاد کی دعوت دے تو اُسے اپنا خیر خواہ سمجھنے کی بجائے اس کی دعوت پاگل پن سے تعبیر کی جاتی ہے اور دعوت دینے والے کا تعلق دہشت گردی سے جوڑا جاتا ہے۔

جدید دورِ جاہلیت کی غلامی کی وجہ سے مسلمانوں میں بے غیرتی اور بے حمیتی کا یہ عالم ہے کہ نام نہاد مسلمان خود اپنے جھوٹے آقاؤں کی خوشنودی کے لیے معمولی پیسے کے عوض دوسرے مسلمانوں کے علاقوں پر دشمنوں کو حملوں کے لیے راہداری دیتے ہیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو پکڑ پکڑ کر اُن کے ہاتھوں فروخت کرتے اور ان مظلوم مسلمانوں پر اپنا ہاتھ صاف کرتے ہیں اس سے زیادہ انسانی المیہ اور رزذیل کام اور کیا ہو سکتا ہے۔ کوئی تعجب کی بات نہیں!!! غلامی ہے ہی ایسی چیز!!!

ان درہم اور دینار کے بندوں اور غلام ابن غلاموں نے بے حسی اور بے حمیتی کی انتہا کر دی ہے۔ یہ اپنی ماؤں بہنوں کی چادروں کو تار تار کرنے میں بھی نہیں شرماتے۔ اس بے حسی اور بے حمیتی کا نظّارہ بھی ذرا دیکھ لیجیے! سابق مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے جوانوں کے ہاتھوں لاکھوں بنگالی مسلمان عورتوں کی ناموس پامال ہوئی تو بھی کوئی فرق نہیں پڑا، فوج پھر بھی پاک ہی رہی!!!

(جاری ہے)

امتِ مسلمہ کا عروج و زوال

قاری عبد العزیز شہید رحمہ اللہ

لال مسجد اسلام آباد کی واقعہ زیادہ پُرانا کا نہیں ہے، یہاں پر بھی نام نہاد مسلمانوں نے غلامی کا حق ادا کیا۔ مسجد و مدرسہ کے طلبا و طالبات اور اساتذہ و معلمات کو مسلمانوں کے اموال پر پلنے والے نمک حرام فوجیوں نے تہ تیغ کیا۔ ان کی لاشوں اور کتابوں کو نالوں میں پھینک کر جشن منایا کہ ہم نے معرکہ سر کر لیا۔ پوری قوم تماشائی بنی رہی تب بھی فوج کے تقدس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بعض دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے دیدہ دلیری کے ساتھ بے حسی اور بے حمیتی کا ثبوت دیا اور کہا کہ غازی عبد الرشید کو اتنا آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اُس نے جو کچھ کیا اُس کا خمیازہ اس نے خود اٹھایا۔ دوسرے معنوں میں رہنمایانِ ملت نے غازی عبد الرشید سے مخاطب ہو کر سوال داغا کہ تم نے غلامی کی زنجیریں توڑنے کی بات کیوں کی اور اس کے لیے شہادت کیوں پیش کی؟ سبحان اللہ!!! کیا یہ ہے دینی رہ نماؤں کی دینی حمیت!!!

یہ تو تھا غلامی میں نفس پرست عام لوگوں کی دینی غیرت و حمیت کا مختصر سا تذکرہ۔ اب ہم ایک خاص الخاص غلام کا تذکرہ بین السطور میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ ہمیں معلوم ہو کہ غلامی واقعی (كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ)"جانوروں کی مانند ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں" ہے۔ یہاں جس خاص غلام کا تذکرہ کرنا مطلوب ہے اُسے صدر پاکستان ہونے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ شریعت اسلامی میں اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اُسے ظاہر نہ کرے بلکہ حکم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر خاموشی سے توبہ کر لے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔ اگر کسی دوسرے سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے اور یہ بات کسی اور کو معلوم ہو گئی ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اس کی پردہ پوشی کرے۔ اگر یہ واقعہ عام فرد کی بجائے کسی قریب ترین سے سرزد ہوا ہے تو اور بھی زیادہ بھاری ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اُسے چھپائے اس لیے کہ ایک تو مسلمان ہونے کے ناطے اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسے چھپائے، دوسرا قرابت دار ہونے کی وجہ سے اس پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی پردہ پوشی کرے۔ اس انحطاط پذیر معاشرے میں کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا ادنیٰ شخص اپنے والدین کی نجی قسم کی سیاہ کاری کو نہیں اچھال سکتا۔ مگر غلامی ہی ایسی بدترین صفت ہے کہ انسان کو حیوان سے بھی نیچے لے جاتی ہے۔ چنانچہ ہم نے غلامی کی بدترین صفت کا مشاہدہ سابق صدر پاکستان پرویز بے شرف کی شخصیت میں کیا۔ اس نے مجاہدین کو ڈالروں کے عوض فروخت کرنے کے علاوہ اپنی خود نوشت میں بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنی سیاہ کاریوں کے ساتھ ساتھ اپنے والدین کے سیاہ کاریوں کو بھی بیان کیا کہ ترکی میں سفارت کار کی حیثیت میں اقامت کے دوران میرے والدین رقص و سرور کی محفل میں جایا کرتے تھے اور ایک ایسے ہی رقص "بیلے ڈانس" میں انعام حاصل کیا۔

آج کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان پر کفار و مشرکین قابض ہیں اور وہاں کفار و مشرکین اور صلیبیوں کے ہاتھوں ہزاروں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا قتل عام ہو رہا ہے اور ماؤں بہنوں کی عزت پامال ہو رہی ہے پھر بھی مسلمانوں کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہے!!! ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت ہو اور گستاخان رسول کی گستاخیاں ہوں مسلمان نفس پرستی میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ صرف بینر اٹھا کر اور نعرہ لگا کر چپ ساد لیتے ہیں۔ اب تو نام نہاد پاک افواج اپنے ہی ملک میں مساجد پر بم گرا کر شہید کر رہی ہیں مگر نفس پرستی کے ساتھ وطن پرستی کے بُت نے مسلمانوں کی رہی سہی حِس بھی ختم کر دی ہے بلکہ ان کے منہ پر تالے لگا دیے ہیں۔

آج مسلمانوں کے مقدس مقامات صلیبی کفار کے نرغے میں ہیں پھر بھی ان کی غیرت و حمیت نہیں جاگتی۔ صرف حج و عمرہ کی اجازت ہونے کی وجہ سے ناداں اُسے آزاد سمجھ رہے ہیں۔ یہ اجازت بھی دجّالوں کے ایجنٹوں نے اپنے مالی فوائد کے لیے دے رکھی ہے تا کہ دنیا بھر کے مسلمان آئیں جائیں اور ان کی ایئر لائن اور دیگر ٹرانسپورٹ کو فوائد حاصل ہوں اس کے علاوہ نام نہاد وزاراتِ مذہبی امور کے کارندوں کا خرچہ پانی بھی نکل آئے۔ جزیرۃ العرب میں یہودیوں نے فلسطینیوں کی سرزمین پر قبضہ کر کے آزاد ریاست قائم کر لی اور مسلمانوں کا قبلہ اول ان سے چھین لیا وہاں عرب مسلمانوں کی دینی حمیت نہیں جاگی حالانکہ عرب اسرائیل کے مقابلے میں عددی اعتبار سے جمّ غفیر ہیں۔ اگر عرب اپنے اپنے ملک کی تیل کی پیداوار میں سے ایک ایک فیصد تیل چھڑک کر آگ لگا دیتی تو اسرائیل کا ناپاک وجود صفحہ ہستی سے مٹ جاتے اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتے۔ آج فلسطینی مسلمان ستّر سال سے یہودیوں کے مظالم سہہ رہے ہیں اور دربدر ہو رہے ہیں مگر عرب و عجم کے مسلمانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ عرب و عجم کے نام نہاد مسلم حکمرانوں کو غلامی میں صرف اپنا اقتدار عزیز ہے نہ کہ اپنی غیرت و حمیت!!!

ہندوستان میں مغلوں کی حکمرانی تھی اور مغل بادشاہ اکبر یہاں کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ اس نے دین اسلام میں ایک نیا دین "دین الٰہی" کے نام سے بنایا۔ جس میں مسلم، ہندو، بدھ اور سکھ بھائی بھائی قرار پائے اس سے بھی مسلمانوں کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہاں مسلمان بھی ہجرت و جہاد بھول چکے تھے۔ صرف ہجرت و جہاد ہی نہیں بھولے بلکہ نفس پرستی میں اتنے غرق تھے کہ کہا جاتا تھا "فتح مکّہ کے بعد ہجرت ہی نہیں۔ حدیث شریف کے آدھا حصّہ زبان زد عام تھا کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ "فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں" اور آدھا حصّہ اپنی نفس پرستی چھپانے کے لیے کھا جاتے تھے۔ جب کہ پوری حدیث یوں ہے:

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَ نِيَةٌ وَإِذَا سْتَنْفَرْتُمْ فَانْفِرُوْا

"فتح مکہ کے بعد (مکہ سے مدینہ) ہجرت باقی نہیں رہی لیکن جہاد اور اس کی نیت (قیامت تک) اب بھی باقی ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کا تقاضا کیا جائے تو نکل پڑو"(بخاری)۔

اس حدیث کی تشریح میں فقہانے لکھا ہے: جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑ جائے خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ جہاد کے لیے نکلیں۔

مسلمان ہندوستان میں بھی عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے اور تعداد میں جم غفیر کی حیثیت رکھتے تھے۔اس کے باوجود مٹھی بھر انگریز تاجر سات سمندر پار سے یہاں پر آئے اور قبضہ کر لیا۔ان دجالوں نے یہاں کے مسلمانوں پر ایسے مظالم ڈھائے کہ ہلاکو و چنگیز کی روحیں بھی تڑپ اُٹھیں۔انگریزوں نے لاکھوں مسلمانوں کو مختلف اذیتوں کے ذریعے قتل کیا اور انہیں غلامی کی زنجیر میں جکڑ لیا۔ مگر نفس پرستی، دنیا سے محبت اور موت سے نفرت ہی ایسی چیزیں ہیں جو آسانی سے غلامی کی زنجیر بن جاتی ہیں۔انگریزوں نے مسلمانوں کے جم غفیر ہوتے ہوئے بھی اُن کے ناک کے نیچے سلطنت مغلیہ اور سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا اور ان کے سامنے ہزاروں علماءدین کو پھانسیاں دیں اور ان کی زمین و جائدادوں پر قبضہ جمایا اور تہہ و بالا کیا۔ پھر بھی مسلمانوں نے بیل کی دم کو نہیں چھوڑا اور اپنے آپ کو زمین سے چمٹائے رکھا۔ مسلمانوں کے ایک اشرافیوں کا طبقہ ان ہی ظالموں اور جابروں سے مراعات حاصل کرنے کے لیے جی حضوری کرتا رہا ہے۔ آج کی طرح بے غیرتی میں اس وقت کے مجاہدین کے خلاف مخبریاں کرتا رہا۔ہم یہ نہیں کہتے کہ یہاں کے مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف کوئی شور و غوغا نہیں کیا اور درپیش مسائل پر کوئی آواز نہیں اُٹھائی بلکہ انگریزوں کے خلاف شور و غوغا تو بہت برپا ہوا مگر وہ منہج نبوی کے مطابق نہیں ہوا۔لوگوں نے تحریک پاکستان کے دوران اس طرح کا شور و غوغا بہت کیا کہ "لڑ کر لیں گے پاکستان" یہ شور و غوغے دجال ہی کے طور وطریقے تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنی تصنیف "پرانے چراغ" میں لکھتے ہیں:

> جب سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کی خبر ہندوستاں میں پہنچی تو اس خبر نے ملک کے طول و عرض میں آگ لگادی تھی ۔ مسجدوں و مدرسوں، گھروں و دکانوں اور خلوت و جلوت کہیں گویا اس گفتگو کے سوا کوئی گفتگو نہ تھی

مولانا شبلی نے اپنی وہ زلزلہ نظم پڑھی تھی جو ہندوستان میں مشہور ہوئی:

خلافت پر زوال آیا پھر نام ونشان کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک
زوالِ دولت عثمان زوال ملک وملت ہے
عزیزو! فکر فرزند وعیال وخانماں کب تک

اُسی زمانے میں ہر بڑے چھوٹے اور مرد عورت کی زبان پر یہ شعر تھا:

بولیں اماں محمد علی کی... جان بیٹا خلافت پہ دے دو

حقیقت یہ ہے کہ کفار کے خلاف جدوجہد کا منہج نبوی تو ہجرت و جہاد ہے جس کو ہندوستان میں صرف سید احمد شہیدؒ اور اُن کے رفقا کے علاوہ اور کسی نے اختیار نہیں کیا۔سید احمد شہیدؒ اوران کے رفقا کے علاوہ جتنے لوگوں نے بھی نعرے لگائے، ہنگامے کیے، مرثیے پڑھے اور قلمی جہاد کیا۔یہ سب کے سب مغربی طور طریقے ہی تھے جنہیں مسلمانوں نے انگریزوں کی غلامی قبول کرتے ہوئے آسان اور تیر بہدف سمجھ کر اپنایا ہوا تھا۔نام نہاد علمی شخصیتوں کے لیے تو یہ مرثیے اور قلمی جہاد بہت ہی دلچسپ مشغلہ ہوا کرتا ہے کیونکہ اس طرح کی تحریکوں اور بھیڑ چالوں میں انہیں اپنے نام نہاد علم کے موتی بکھرنے کے خوب خوب مواقع مل جاتے ہیں اور دادِ رشک وصول کرنے کے مواقع بھی میسّر آتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے یہ نظم کہہ کر خود اپنی علمی موشگافیوں کی کمزوریوں کا اعتراف کیا:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

اس کے علاوہ ایک اور موقع پر ڈاکٹر اقبال نے غازی علم الدین شہیدؒ کے بارے میں یہ الفاظ (اسیں گلاں کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا)"ہم باتیں کرتے رہ گئے اور ایک بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا" کہہ کر بھی اپنے علمی مشغلوں کی کمزوریوں کا اعتراف کیا کہ ہماری یہ علمی مرثیہ اور قلمی جہاد تو دھرے کا دھرا رہ گیا اور میدان کسی اور نے مار لیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ میدان مارنے والے لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو منہج نبوی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے) پر عمل کرتے ہیں۔بڑھئی کے بیٹے غازی علم الدین نے راج پال گستاخِ رسول کو قتل کرتے ہوئے اسی منہج نبوی پر عمل کیا۔ جس منہج پر صحابہ کرامؓ نے کعب بن اشرف، ابورافع یہودی اور ابو عفک جیسے گستاخانِ رسول کو قتل کرکے کیا تھا۔

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی سے نجات کی راہ:

مسلمانوں کی موجودہ ذلت و مسکنت اور گمراہی تو واضح ہے کہ جن لوگوں سے ہمیں جزیہ لے کر چھوٹا بنا کر رکھنا تھا وہ ہمارے اوپر مسلط ہیں اور ہم انہیں بخوشی ٹیکس ادا کر رہے ہیں۔ہم بغیر کسی احساس ندامت کے فخریہ ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں اور ان کی مصنوعات خرید کر ان کی نقالی میں فیشن کے طور پر ان کا استعمال بھی کرتے رہے ہیں۔ ہم اپنی سادہ لوحی سے ان کے نظام اور ان کی معیشت ہی کو مستحکم کر رہے ہیں تاکہ وہ ہم ہی سے ہماری خوب خوب خبر لیں، اور ہماری رہی سہی قوت بھی زائل کر لیں۔ ہم اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے اس حد تک بے دست وپا ہو جائیں کہ اُن کی غُلامی میں کبھی ان کے خلاف لڑنے بھڑنے کا سوچ بھی نہ سکیں۔ ہمارے اندر موجودہ ذلت و خواری سے نکلنے کی سوچ پیدا ہو یا نہ ہو مگر موجودہ گمراہی پر ہمیں ضرور سوچنا چاہئے کیونکہ اس گمراہی کا خمیازہ آخرت میں یقیناً بھگتنا ہے۔ آج کی گمراہی اندھری رات میں سیاہ پتھر کا سراغ لگانے کے مترادف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس امت میں شرک ایسا ہو گا جیسے اندھیری رات میں سیاہ کالے پتھر پر سیاہ چیونٹی رینگتی ہو"۔

بعینہٖ اسی طرح آج کا شرک بھی خوش نما ناموں سے موسوم ہے جو لوگوں کی آنکھوں سے اُوجھل ہے۔ اس لیے صرف وہی شخص اُسے پہچان سکتا ہے جو قلبِ سلیم اور بصارت و بصیرت رکھتا ہو۔ آج ہم ایسے بہت سے معبودوں کی پرستش کر رہے ہیں جن کے بارے میں ہمیں کوئی شعور ہی نہیں کہ یہ بھی ہمارے خدا بنے ہوئے ہیں۔ آج ہم اللہ کی ہدایت کی جگہ اپنے نفس کی خواہش کے مطابق "انا" کی پرستش کر رہے ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ

"(اے نبی) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو معبود بنالیا ہے"

ہم ظالموں کے ایجاد کردہ طاغوتی جمہوری (ڈیموکریسی) نظام کو قبول کر کے عملاً "اپنے مفاد" کی پرستش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

"وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس طاغوت کا انکار کریں"۔

اسی طرح ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اور اس کے متعلق شکوک و شبہات اور تذبذب و تردد برتتے ہوئے اپنا مقدمہ طاغوت کی عدالت میں لے جاتے ہیں اور اس عمل کے ذریعے ہم طاغوت کی بندگی کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

"(اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں"

خواہشِ نفس کی پیروی، اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جانا اور اپنے مفادات کے جھگڑے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالث نہ ماننا یہ ساری باتیں شرک ہیں جو خوشنما ناموں سے موسوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا تاوقتیکہ وہ سچے دل سے اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف رجوع نہ کرلیں۔

امتِ مسلمہ کا بحیثیت مجموعی شرک میں مبتلا ہونا اور غلامی میں کس جانا آفات کی صورت میں امت پر عذاب ہے۔ اس سے بڑا عذاب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جس کی وجہ سے امت بحیثیت مجموعی عذاب میں مبتلا ہے اسی کی تلافی امت کے لیے راہ نجات ہے۔ یہ امت مسلمہ پر عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ دنیا بھر کے کمزوروں اور بے کسوں کی دادرسی جس امت کے فرائض میں شامل تھا آج وہ خود دادرسی کی محتاج ہے۔ امتِ مسلمہ پر اس عذاب کی وجہ کیا ہے؟ گذشتہ باب میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ امت کا نفس پرستی میں مبتلا ہونا، دنیا کی محبت دل میں بسانا اور موت سے نفرت کرنا ہے۔ اس باب میں امتِ مسلمہ کے عذاب میں مبتلا ہونے کے اسباب اللہ اور اس کے رسول کی زبانی سن لیجئے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ. اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

"مومنو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے) زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو؟ دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑی تکلیف کا عذاب دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا (جو اللہ کے پورے فرمانبردار ہوں گے) اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان کا اللہ کی راہ میں نہ نکلنا عذاب کا سبب ہے

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

"اگر تم (اللہ کی راہ میں قتال کے) نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑی تکلیف کا عذاب دے گا"۔

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو متنبہ فرمایا:

مَا تَرَکَ قَوْمٌ الْجِہَادَ اِلَّا عَمَّھُمُ اللّٰہُ بِالْعَذَابِ

"کسی قوم نے جہاد نہیں چھوڑا مگر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سزا کی طور پر ان پر عام عذاب مسلط کر دیا" [الطبرانی]

ایک اور جگہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام

"جب تم سودی کاروبار کرنے لگو گے، اور گائے بیل کی دُمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی پر قانع ہو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تب اللہ تعالیٰ تم پر ذلّت مسلّط کر دے گا۔ یہ ذلّت اس وقت تک نہیں اُٹھائی جائی گی جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آؤ"۔ (ابوداؤد)۔

اور بعض دوسری روایات میں یہ ہے کہ جب تک تم جہاد کی طرف پلٹ نہ آؤ۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کے عذاب میں مبتلا ہونے کو "ترکِ جہاد" کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی بتلائے ہیں۔ ان میں سودی کاروبار میں ملوث ہونا، گائے بیل کی دُمیں پکڑ کر کھیتی باڑی پر قانع ہو جانا ہے اور یہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم جہاد کی طرف پلٹ کر نہیں آؤ گے اس وقت یہ عذاب ٹلنے کا نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ قرآن اور تلوار ہیں۔ یہ دونوں چیزیں امت کے عروج کی علامت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہلے ہی خبر دار کر گئے تھے کہ قرآن و سنت چھوڑ دوگے تو ذلت و مسکنت اور گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّتِيْ

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رہو گے ہر گز گمراہ نہیں ہو گے"۔[مؤطا امام مالک]

یہ حدیث مبارکہ امت مسلمہ کے لیے آج کے پس منظر میں ایک مینارۂ نور ہے۔ اس میں گمراہی سے نکلنے کا طریقہ اور تابناک مستقبل کی خبر پنہاں ہے۔ گو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال، اعمال اور اخلاق و اطوار سنت کا درجہ رکھتے ہیں اور ہر سنت دنیا و ما فیھا سے بہتر اور موتیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک بہت بڑا نمایاں حصہ تلوار و جہاد اور میدانِ کارزار سے وابستگی ہے۔ حدیثِ مذکورہ میں کتاب اللہ تو واضح ہے جو کہ قرآنِ پاک ہے اور سنت 'حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اعمال میں سب سے بڑا نمایاں عمل تلوار، جہاد اور میدانِ کارزار سے وابستگی ہے۔ قرآن پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی نمایاں عمل یعنی تلوار، جہاد اور میدانِ کارزار سے وابستگی نے اسلام اور مسلمانوں کو شان و شوکت عطا کی تھی اور اس کو ترک کرنے پر مسلمان ذلیل و خوار ہوئے اور گمراہی کے دلدل میں پھنسے۔ موجودہ دورِ جاہلیت میں بھی انہی دو چیزوں سے دوری کی وجہ سے مسلمان ذلت و مسکنت اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس امر واقع کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے نمایاں حصے یعنی تلوار، جہاد اور میدانِ کارزار سے وابستگی والے اغلب عمل کی تائید درج بالا دونوں احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ ذلّت و خواری اور گمراہیوں سے نجات کے لیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ احادیث اس قدر واضح ہیں جس میں کوئی ابہام نہیں۔ ماضی بعید و قریب میں ان فرامین رسول کو ترک کرنے کی وجہ سے مسلمانوں نے ذلت و پستی کمائی ہے۔ انہوں نے ماضی بعید میں ان فرامین رسول کی نافرمانی کی اور تعمیر و ترقی میں اپنی صلاحیتیں لگائیں جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر تاتاریوں کو مسلّط کر کے ان کی تعمیرات و ترقیات خاک میں ملا دیں۔ ماضی قریب میں بھی مسلمانوں نے ہجرت و جہاد چھوڑ کر بیل کی دُمیں پکڑ لیں پھر اللہ تعالیٰ نے مغربی قوموں کو ان پر مسلط کیا مگر مسلمان ہوش میں آنے کے بجائے اپنی پرانی روش پر قائم رہے۔ اس پستی و زبوں حالی سے نجات کے لیے قرآن و سنت اور ہجرت و جہاد چھوڑ کر امت کے نام نہاد بہی خواہوں کی طرف سے طرح طرح کی تجاویز پیش کی جاتی رہیں اور ان پر عمل بھی ہوتا رہا ہے (جس کی تفصیل بیان کرنا مضمون ہذا میں متحمل نہیں در اصل یہ سب تجاویز اور اس پر عمل سارے کے سارے قرآن و سنت اور ہجرت و جہاد سے فرار ہی کا راستہ تھا جس کی طرف صرف اشارہ ہی ممکن ہو سکے گا)۔ یہ عمل و تدابیر مسلمانوں کے زوال کے آغاز ہی سے شروع ہو چکا تھا مگر آخری دو سو سال سے زیادہ شد و مد کے ساتھ جاری ہے لیکن کوئی خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہوئے۔ اس مرض کے ازالے کے لیے شوگر کوٹڈ کونین کے بجائے قرآن و سنت اور ہجرت و جہاد والی خالص کونین دینی چاہئے تھی۔

اس مرض کے استیصال کے لیے جو دوائیاں تجویز کی گئیں ہیں ان میں سے ایک تجویز مسلمانوں میں بیداری دین و ملت اور سیاسی حقوق کی بازیابی کے لیے صالح جماعتوں کا قیام تھا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے مسلم خطوں میں بے شمار صالح جماعتیں منظر عام پر آگئیں۔ یہ صالح جماعت والا کام تا حال جاری ہے۔ بیداریٔ دین و ملت، دعوت و اصلاح اور سیاسی حقوق کی بازیابی تو کیا ہونی تھی مگر جو کچھ ہوا اس کی تلافی کرنا قرآن و سنت اور ہجرت و جہاد کو لازم پکڑے بغیر جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ حالانکہ اُس وقت ہندوستان میں کفار اور اس کے لاؤلشکروں کے خلاف ایک صالح جماعت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں نبوی منہج پر جہاد و قتال میں مصروف تھی۔ جہاد و قتال والی جماعت سے زیادہ صالح جماعت اور کون سی ہو سکتی ہے۔ ہم یہ بات بھی واضح کر دینا فرض سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی بھی صالح جماعت میدان کارزار سے وابستگی کے علاوہ صالح نہیں رہ سکتی کیونکہ شیطان صرف تلوار کی چمک سے ڈرتا ہے۔

آج یہی جماعتیں، تحریکیں، انجمنیں اور تنظیمیں مغربی معاشرے (سول سوسائٹی) کی محافظ اور ان کے نظریئے و نظام کے ہر کارے ثابت ہو رہے ہیں۔ آج یہی جماعتیں مسلمانوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دین میں سیاسی و مذہبی اور نیم سیاسی و نیم مذہبی فرقہ بندی کی موجب بن گئیں۔ جن کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

"جن لوگوں نے اپنے دین میں بہت سے راستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہوگئے۔ ان سے (اے نبی!) آپ کو کچھ کام نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالے۔ پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو بتا دیا جائے گا"۔

امت مسلمہ: عروج وزوال کے تجزیوں کا تجزیہ

جنید عالم خان

عروج کے تمام راستے مادیت سے کیوں وابستہ ہیں؟

انیسویں صدی میں ترکی، مصر، ہندوستان اور ایران پر جدیدیت کا زبردست حملہ شروع ہوا اور مغرب نے مشرق پر یلغار کر کے خلافتِ عثمانیہ کو منتشر کر دیا۔ زوال کے اس مرحلے میں دانش وروں نے غور و فکر کا نیا سلسلہ شروع کیا لیکن نتائج عجیب تھے۔ عالمِ اسلام کے جدیدیت پسند مفکرین 'مغربی تہذیب، مغربی فلسفے، اقدار، روایات اور تاریخ کو بغیر کسی مطالعے، نقد، محاکمے اور مباحثے کے، تاریخِ اسلام کے سنہری دور کا انعکاس بلکہ عکاس سمجھ رہے تھے اور مغرب کی سائنسی اور تیکنیکی برتری کو اسلام کا فیضِ جاریہ تصور کرتے تھے۔

بہت سے مفکرین کا یہ دعویٰ تھا اور آج بھی اس دعویٰ سے جدیدیت پسند دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں کہ مغرب کی تمام اقدار، روایات، تجلیات اور ترقیات 'تاریخ و تہذیبِ اسلامی کا نمونہ ہیں۔ صرف کمی یہ ہے کہ مغرب کفر سے توبہ کر لے اور کلمہ طیبہ پڑھ لے۔ ان کا خیال ہے کہ عالم اسلام نے سائنس، پروگریس، ڈیولپمنٹ Rationality, Reason, Freedom, Free Society, Equality, Pluralism اور عقل کو جو اُن کی میراث تھے 'چھوڑ دیا، مغرب نے اُسے اختیار کر کے ترقی کی منازل طے کر لیں... لہٰذا ہمیں اپنے تاریخی ورثے کو جو مغرب کے پاس ہے واپس لے کر ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لیے کمربستہ ہونا چاہیے... اس طرح عالمِ اسلام کے تمام جدیدیت پسندوں کے یہاں اسلامی ترقی کا تمام تر تصور محض مادیت پر مبنی ہے جس میں روحانیت کی کوئی جگہ نہیں... خود مغرب میں ترقی کا فلسفہ ۱۹۵۰ء سے پہلے سے موجود نہ تھا۔ یہ اصطلاح بھی موجود نہ تھی تفصیل کے لیے [Development Dictionary] کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے جو [Zed Books London] نے شائع کی ہے۔

یہ مادیت [Materialism] کہیں ریاست کے ذریعے اور کہیں معیشت، حکومت، سیاست، انتخابات، ایجادات، وسائل میں اضافہ، تعلیم بالغان اور تکنیکی تعلیم، مسلم قوم پرستی، جدید تعلیم، جدید سائنس و سوشل سائنس، طاقت، اور قوت کے مادی مظاہر کے ذریعے امت مسلمہ کے عروج کے خواب دیکھتی ہے۔ اس سفر میں کہیں بھی ایمان، دین، اسلامی مابعد الطبیعیات، روحانیت، آخرت 'زادِ سفر کا درجہ اختیار نہیں کرتے۔ زوال سے نکلنے کی ہر راہ ہر دریچہ مادیت کی دنیا میں کھلتا ہے، کامیابی کی واحد کنجی مادی ترقی ہے، اس جدید منصوبے کے تحت اسلامی شریعت و روحانیت اور مابعد الطبیعیات کے جدید متبادلات عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعمیر و تشکیل جدید کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ جس کا اصل ہدف زیادہ سے زیادہ تمتع فی الدنیا اور تسخیر فی الارض کے سوا کچھ اور نہیں۔ ان جدید فقہی متبادلات کے تحت اسلامی طرزِ زندگی بے معنی ہو جاتی ہے...

اسلام کے غلبہ کا مطلب دنیا میں اور اہلِ دنیا میں تصورِ آخرت کا غلبہ ہے... جب دنیا اس قدر حقیر ہو جائے جس طرح ایک مری ہوئی بکری جسے کوئی دام لے کر بھی لینا پسند نہ کرے غلبۂ اسلام کا مقصد نفسانی تقاضوں کو کم کرنا، دنیا سے تمتع کی حدود مقرر کرنا، نفس کے شریر تقاضوں کی تحدید کرنا، اس کو تہذیب سے آراستہ کرنا، مادیت کے صحرا میں گم ہونے سے بچانا، بندۂ درہم و دنیا کو بندۂ خدا بنا کر طالب آخرت بنانا، عقل و نفس کو نص کا درجہ دینے کے بجائے اللہ کی رضا اس کی معرفت اور اس کے خوف کو اصل مقصد سمجھنا ہے۔ دین کا احیاء، امت مسلمہ کا عروج 'فی الاصل صدرِ اول کے روحانی معاشرے کی بازیافت اور اس انسان کے حصول کا نام ہے جسے صدرِ اول نے ایک مستقل نمونے کے طور پر تشکیل دیا تھا۔ مسلمان خیر القرون میں جس منہاج کے تحت کمال یافتہ تھے اب حالتِ زوال سے نکال کر انھیں اسی مرتبۂ کمال پر فائز کرنا مقصودِ دین ہے... اس کے سوا غلبۂ دین کا کوئی مقصد نہیں...

لہٰذا غلبۂ دین کی کوئی حکمت عملی اگر روئے ارض تسخیر بھی کر لے لیکن ان مقاصدِ شریعت سے غافل رہے تو یہ غلبہ امت مسلمہ کا غلبہ نہیں بلکہ مسلم قومیت کا غلبہ ہو گا۔ مسلمانوں کے زوال پر عربی فارسی، اردو اور انگریزی میں اب تک راسخ العقیدہ نقطۂ نظر سے جو کچھ لکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں زوال کے جتنے ذیلی، ضمنی اسباب بیان کیے گئے ہیں ان کو ایک مرکزی سبب میں مرکوز کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ "اسلام کے مقصود سے غفلت اور اس کے حصول کے لیے شعوری کوشش کا فقدان"... اسلامی معاشرہ بالفعل موثر نہیں رہا جب اس نے اپنے منصب [شہادة علی الناس] سے گریز کیا اور اس نے اپنے منصب سے روگردانی تب کی جب اسلام کے اس مقصود سے غفلت کی جو دین کی طرف سے عائد ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی فتوحات کا مقصد زمینی فتوحات نہیں قلوبِ انسانی کی فتوحات ہے یعنی لوگوں کو دائرۂ اسلام میں کثرت سے داخل کرنا، اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے جہاد بھی ایک موثر ذریعہ ہے... بلکہ توسیعِ دعوت کی روحانیت 'جہادی جذبے میں مقید ہے...

اگر اسلامی سلطنت پھیل رہی ہو اور لوگ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو رہے تو یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ لوگ دین حق سے کیوں متاثر نہیں ہو رہے؟

یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ اسلام کا سیاسی پہلو وسیلہ ہے یا مقصود؟ قرآن میں اس کی تین جہات ملتی ہیں۔ اولاً یہ کہ انسان کو دنیا میں خدا کے خلیفہ کے طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس منصب کی تکمیل کے لیے اسلامی ریاست کی تشکیل اور قیام بھی ایک درجے میں مقصود قرار پاتا ہے اور صرف وسیلہ نہیں رہتا۔ دوسری طرف قرآنی اصولوں پر ریاست کا قیام ایک لازمی وسیلہ بنتا ہے کیونکہ حدود و تعزیرات کا نفاذ اور قیامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام 'حکومت کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا... لہٰذا حکومت کے بغیر شریعت پر مکمل عمل در آمد ممکن ہی نہیں رہتا۔ دوسرے یہ کہ ترویجِ اخلاق و احکام اس وقت تک ناممکن ہوتا ہے جب تک فضائلِ اخلاق کے حصول کی راہ میں حائل خارجی موانع رفع نہ ہوں... جہاد کے بغیر رکاوٹوں کا خاتمہ ممکن نہیں، اس کے لیے ریاست کی قوت ضروری ہے۔ نیز اللہ نے خلافت کا وعدہ ایمان اور عمل صالح سے مشروط کیا ہے اور خلافت ارضی کے صرف چار مقاصد بیان کیے ہیں

۱۔ الصلوٰۃ ۲۔ الزکوٰۃ

۳۔ امر بالمعروف ۴۔ و نہی عن المنکر

استخلاف فی الارض کا مقصد اللہ کے کلمے کی بلندی ہے اور وہ حالات، اسباب، مواقع اور راستے مہیا کرنا جس کے باعث کسی شخص کے لیے 'الحق' کی شناخت محال نہ رہ سکے۔ نتیجہ یہ کہ اسلام ایسے افراد کا معاشرہ تخلیق کرنا چاہتا ہے جو روحانیت کے حامل اور فضائل اخلاق کے لیے کوشاں ہوں اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں اِس دنیا میں اللہ کا حکم نافذ کرنا چاہتے ہوں۔

بنا بریں اہلِ اسلام کے عروج کا دارومدار اس آدرش کے حصول کے لیے جدوجہد پر ہو گا اور ان کے زوال کا سبب اس سے غفلت قرار دیا جائے گا۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو مسلم دنیا کا زوال اس چیز کا شاخسانہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو ایک ذاتی شخصی معاملہ بنا کر رکھ دیا اور خلافت کو صرف ضرورت اور مصلحت کی چیز بنالیا۔ مسلمانوں کا عروج یہ ہے کہ اسلام کے دامن میں روئے ارض کے تمام لوگ پناہ لے لیں اور اپنے رب کی اس جنت کے طلب گار و حق دار ہو جائیں جس کی وسعت زمین و آسمان سے زیادہ ہے... کامیاب وہ ہے جو روزِ آخرت اپنے رب کے حضور کامیاب ہو جائے ۔

جہاد، دعوت، تبلیغ، تعلیم، ریاست، حکومت، خلافت، امارت، قوت، شوکت 'صرف اور صرف لوگوں کو روزِ آخرت میں فوز العظیم کے قابل بنانے کے لیے ہیں... ان معنوں میں

امت مسلمہ کا زوال اس دن سے شروع ہوا جس دن سے لوگوں کے قلوب کو تسخیر کرنے کے بجائے تسخیر ارض اور تسخیر کائنات، شان و شوکت، رعب و دبدبہ، ترقی، برتری، طنطنہ، ہمہمہ، غلغلہ، طبل و عَلَم، جاہ و حشم، لشکر و سپاہ، اس امت کے اصل اہداف ٹھہرے! ہندوستان اور یورپ اسلام کے دائرے میں اس لیے نہ آسکے کہ خلافتِ اسلامیہ نے تسخیرِ ارض پر توجہ دی اور سترہویں صدی کے بعد تسخیر ارض کی صلاحیت کھونے کے بعد پوری امت مسلمہ 'تسخیرِ کائنات کے مغربی سائنسی خلجان میں مبتلا ہو گئی...

تسخیر کے ایک چکر سے نکلے تو دوسرے گورکھ دھندے میں گرفتار ہو گئے۔ لہٰذا یہ امت دوہرے عذاب کی حق دار ٹھہری ہے... پہلے کم از کم دین کی دولت تھی یعنی خلافت اور حکومت میں اسلام 'قانونِ ریاست[Public Law] تھا۔ اب تسخیرِ کائنات، بنیادی حقوق انسانی، ترقی آزادی، مادی فتوحات کُل عالمِ اسلام کا متفقہ مشترکہ **Public Law** ہو گیا ہے... لہٰذا دین کی دولت بھی گئی اور اب دنیا کی دولت بھی باقی نہیں رہی... دین و دنیا کی دولت صرف ایمان، عمل صالح اور صبر و شکر کے ذریعے ملتی ہے، اس کے سوا کوئی راستہ ہمارے رب نے ہمیں نہیں بتایا۔ لیکن اٹھارہویں صدی کے بعد عالمِ اسلام میں عروج کے لیے جتنی تحریریں لکھی گئیں ان میں مادیت کو مرکزی مقام دیا گیا۔ عروج کے لیے مادیت پرستی کا نقطۂ نظر جو اٹھارہویں صدی سے عالم اسلام میں عام ہوا، اس کی بنیاد ہندوستان میں رکھی گئی۔ اس نقطۂ نظر کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ علامہ اقبال جیسا عبقری بھی ان افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

مادی ترقی اور عروج کے ان افکار سے پہلے مغربی تہذیب و تمدن سے براہ راست مشاہداتی واقفیت کے ضمن میں عالم اسلام میں بہت کم نام ملتے ہیں لیکن ان میں سب سے اہم نام ہندوستان کے سیاح ابو طالب خان کا ہے جن کی کتاب "مآثر طالبی فی بلاد افرنجی" میں مشاہدات یورپ پہلی مرتبہ تحریر کیے گئے جو ان کے سفر یورپ [۱۸۰۳۔۱۷۹۹ء] کے تاثرات پر مشتمل ہے۔ یہ ان پہلی تصانیف میں سے ہے جس میں کسی مسلمان نے موجودہ مغربی تمدن سے عالم اسلام کو روشناس کرایا ہے۔

ابو طالب کی یہ تصنیف مشہور مصری عالم اور ماہر تعلیمات رفاع رفع الطہطاوی کے مشاہدات سے چوتھائی صدی قبل ضبط تحریر میں آچکی تھی۔ قبل ازیں ہندوستان کے اعتصام الدین 'مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی کے سفیر کی حیثیت سے ۱۷۶۷ء میں یورپ کے دورے پر گئے تھے اور وہاں کے تاثرات قلم بند کیے تھے۔ ان تاثرات کے ذریعے مسلمان مفکرین کی توجہ فکر مغرب کی ترقی اور برتری پر مرکوز ہو گئی اور مسلمانوں کے زوال کا واحد سبب مادی ترقی میں پسپائی کو قرار دیا گیا۔ یہ نقطۂ نظر اس قدر شدت سے عالم

اسلام پر اثر انداز ہوا کہ جمال الدین افغانی، عبدہ، سرسید سے لے کر راسخ العقیدہ مسلم مفکرین اور عہد حاضر میں مصر کا جدید اسلامی مکتبۂ فکر[''حزب وسط''] جو اخوان کا منحرف گروہ ہے کے محمد الغزالی مرحوم اور یوسف القرضاوی جیسے علماء کی تحریریں بھی مسلمانوں کے مادی زوال پر نوحہ کناں ہیں۔

اس نوحہ خوانی کا مرکزی مرثیہ جس کا متن یوسف قرضاوی، محمد الغزالی اور حزب وسط مصر کی کتابوں، تحریروں تقاریر سے اخذ کیا گیا ہے اس کے مطابق ''اسلام سائنس ہے اور سائنس اسلام'' ، ''دنیا کو جنت بنانا عین دین ہے''، ''اپنی دنیا کو دین سے منقطع کیے بغیر طبعی دنیا کے خوشوں کو امکان کی آخری حد تک حاصل کرنے کی کوشش کرنا، خوشیوں کے خوشے چننا، آخری حد تک نعمت دنیا سے متمتع ہونا دین کا مطلوب و محمود و تقاضہ ہے''، ''جو زندگی مادی ترقی ،ارتقااور فلاح کے سوا کچھ نہیں وہ گناہ عظیم ہے''، ''پیداواری عمل عبادت کی بہترین شکل ہے''، ''اہل الذکر، راسخون فی العلم، اولوالالباب علماء سے مراد وہ سائنس داں ہیں جو انسانیت کی فلاح کے لیے، اللہ کی عیال کی صلاح کے لیے شب و روز تجربہ گاہوں میں ایجادات کا انبار لگا رہے ہیں''، ''صحیح اسلامی شعور کا مقصد اس زندگی اور دنیا کی احسن طریقے سے تعمیر ہے''، ''گٹر بنانا عبادتِ رب کا بہترین ذریعہ ہے، سب سے بہترین عمل لوگوں کی ضروریات پوری کرنا ہے''، ''مفاد عامہ [General interest] پر مبنی ہر اصول کا نام شریعت ہے''، ''عالمگیر معاشرہ صرف اور صرف اقوامِ متحدہ کے منشور حقوق انسانی کی روشنی میں تعمیر کیا جاسکتا ہے''۔

اخوان المسلمین کے منحرف گروہ '' حزب وسط''مصر کی جدیدیت ایک نئے انداز کی جدیدیت ہے، جو اسلامی تاریخ میں خطرناک شگاف پیدا کر رہی ہے اس کی تفصیل ہارورڈ یونی ورسٹی سے شائع ہونے والی کتاب [Islam without fear] میں پڑھی جاسکتی ہے اس کے ساتھ ساتھ۔[اس کی تفصیلات ساحل اکتوبر ۲۰۰۵ء کے شمارے میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے]۔

عالم اسلام کو جدیدیت کے ذریعے مغرب میں سمونے کا کام کئی سطحوں پر کیا گیا اور اس کی بنیاد 'زوال سے نکلنے اور عروج حاصل کرنے کی واحد جستجو تھی۔ دوسرے معنوں میں اخلاقی روحانی واعتقادی اور عملی زوال سے نکلنے کی آرزو۔ زوال کا مطلب صرف یہ لیا گیا کہ ہم سیاسی عسکری غلبے سے محروم ہوئے اور تسخیر فی الارض کی صلاحیت ختم ہوگئی جس کے نتیجے میں تمتع فی الارض کے مقصد کو بھی ضعف پہنچا اور معیارِ زندگی اور مادی ترقی کے اہداف بھی معرض خطر میں پڑ گئے۔ زوال کے مختلف تجزیوں کی اندرونی لہر شاید ایک ہے۔ زوال کو کئی طریقوں سے دیکھا گیا اور اسے روکنے کی جدت پسندانہ کوششیں کئی زاویوں سے کی گئیں مثلاً - تاریخ، ادیانِ عالم، عقلی سرگرمی اور تصوف کی سطح پر رینے گینوں اور روایت کا مکتبہ فکر، تہذیب کی سطح پر سرسید احمد خان، مفتی عبدہ، مسلم قومیت کی سطح پر جمال الدین افغانی اور عالم اسلام میں آزادی کی تحریکوں کے قائدین، فلسفے کی سطح پر علامہ اقبال، سیاست کی سطح پر قومی سیاسی جماعتوں کے استعمار پرست رہنماؤں کی حکمت عملی اور حزب وسط مصر کی سیکولر سیاست جدیدیت پسند علمائے عرب، معاشرت کی سطح پر نکاح المیسار بذریعہ یوسف قرضاوی، سائنس کی سطح پر سرسید احمد خان، افغانی، عبدہ، جوہر طنطاوی، معیشت کی سطح پر اسلامی بنکاری جس کی طاقت ور ترین علامت مفتی تقی عثمانی صاحب ہیں...

ان میں سے اکثر لوگوں کے اخلاص میں شاید شبہ کی گنجائش بہت کم ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تمام فضلاء و علماء نے نہایت اخلاص کے ساتھ مغربیت، جدیدیت کو اسلامی معاشروں میں سمونے کے لیے نادانستہ طور پر یا دانستہ طور پر اہم خدمات انجام دی ہیں... جس کے نتیجے میں عالمِ اسلام کی غلامی کی زنجیریں اور مضبوط ہو گئیں اور زوال کی رات مزید گہری ہو گئی۔

ان مصلحین، مفکرین اور جدیدیت پسندوں کو یہ معلوم نہیں کہ دنیا کی تمام تہذیبوں میں سائنسی اور دنیاوی ترقی کا نقطۂ عروج ہی ان کا دور زوال ثابت ہوا۔ عراق میں بابلی تہذیب، مصری تہذیب، رومی ، چینی ،ہندوستانی، یونانی تہذیبوں کے تحقیقی مطالعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں زیادہ فعال سائنسی سرگرمی فی الحقیقت ان تہذیبوں میں اس وقت دیکھنے میں آئی جب وہ تہذیبیں مر رہی تھیں...دنیا کی معلومہ تاریخوں کے بارے میں جارج سارٹن کی تحقیق کے مطابق تہذیبوں میں سائنسی ترقی اور سائنسی عروج ان کے دورِ زوال میں شروع ہوتا ہے۔

بابلی تہذیب میں جو اپنے عظیم سائنسی شاہکاروں کی وجہ سے مشہور ہے، سائنس نے اس وقت عروج پایا جب وہ تہذیب ختم ہو رہی تھی۔ ہندوستان میں موہنجوڈرو کی تاریخ و تہذیب جس نے ترقی و کمالات کی بے شمار منزلیں طے کر لیں تھیں، جن کی برآمدات مصر تک جاتی تھیں، جن کے طرزِ تعمیر میں نکاسی آب کا عجیب و غریب نظام موجود تھا، جو آج بھی موہنجوڈرو کے قریبی شہر لاڑکانہ میں جزوی طور پر میسر ہے اور اس نظام کی حالت بھی یہ ہے کہ امراء کی کوٹھیوں میں گندے پانی کی نالیاں بہہ رہی ہوتی ہیں لیکن پانچ ہزار سال قبل گندے پانی اور غلاظت کی نکاسی کا عظیم الشان نظام وہاں قائم تھا۔ موہنجوڈرو میں ساعت گاہیں، دارالاقامہ، جامعات کی عمارات غیر معمولی کارنامے ہیں...لیکن یہ تمام تر

ترقیات ان قوموں کے دورِ زوال میں نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ ترقی ان کے زوال کی رفتار کو تیز تر کرنے کا سبب بنی، زوال کی رفتار کم کرنے یا اسے روکنے کا سبب نہ بن سکی۔

یونانی تہذیب کا حال بھی ایسا ہی تھا... یونانی سائنس کے عظیم شاہکار مثلاً بطلیموس اور اقلیدس اور ان کے معاصرین کے کارنامے اس وقت ظہور میں آئے جب یونان کے حصے بخرے ہو گئے تھے، اس کا مذہب مر رہا تھا، اس کی ثقافت دم توڑ رہی تھی اور اس کی سیاسی زندگی پر رومیوں کا تسلط قائم ہو رہا تھا...

کیا مغرب کی سائنسی ترقی کا مطلب 'زوال کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ بعض سائنسی علوم کے حوالے سے مصری تہذیب کی بھی یہی کیفیت تھی... حالت مرگ میں مصری سائنس نے زبردست برگ و بار پیدا کیے ،لاشوں کو حنوط کرنے کا عظیم الشان سائنسی طریقہ، اہرام تعمیر کرنے کی سائنس و ٹکنالوجی 'جس کا تصور عصرِ حاضر کا جدید انسان اور جدید سائنس تصور میں لانے سے قاصر ہے لیکن اہرامِ مصر کی سائنس 'زوال کی سائنس ہے جس کا دور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہو گیا اور بنی اسرائیل اس خطے کے وارث بنا دیے گئے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام نے اپنی قیادت و سیادت کے طویل دور میں مصری تمدن و طرز تعمیر کی پیروی نہ کی۔ انبیاء علیہم السلام صرف نئی مابعد الطبیعیات ہی نہیں دیتے، وہ قدیم نظام، اس کے اداروں، اس کے علومِ عقلیہ کو بھی تہس نہس کر دیتے ہیں۔ وہ تہذیبیں جو اپنی اساس 'مادی ترقی اور شان و شوکت پر رکھتی ہیں ان کے نام لیوا مٹ جاتے ہیں... وہ تہذیبیں جو اپنی اساس 'للٰہیت ، روحانیت ، ایمان، یقین اور ذات الٰہی و سنت محبوب الٰہی پر رکھتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ قیامت تک امر کر دیتا ہے۔

وہ لوگ قرآن کو جدید سائنسی انقلاب کی کلید قرار دیتے ہیں یہ نہیں بتاتے کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں کوئی سائنس داں کیوں پیدا نہ ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ قوموں کی ترقی اور طرزِ تعمیر کیوں عطا نہیں کیا گیا ؟ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کو ہدایت دی گئی کہ جب بھی زمین پر اقتدار ملے تو وہ صلوۃ و زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کریں... سائنس کا نظام قائم کرنے کا حکم انہیں دیا گیا...

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم غلام تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم بالغان کے مراکز، سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم عام کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ یہ حکم دیا کہ وہ چند کمرے حاصل کر کے صلوٰۃ کا نظام قائم کریں... انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین 'صحیفہ آسمانی کے معانی تک رسائی رکھتے تھے لیکن کسی نبی نے سائنسی انقلاب برپا نہیں کیا۔ عاد، ثمود، اصحاب ایکہ، قوم تبع، قوم سباء کو اپنے عہد میں ٹکنالوجی میں کمال حاصل تھا لیکن انبیاء علیہم السلام نے ان کا مقابلہ ان کے ہتھیاروں سے نہیں، اللہ کے عطا کردہ ایمان، یقین ، وحی اور نقل کے ذریعے کیا۔

لہٰذا یہ تصور ایک باطل تصور ہے کہ سائنس و ٹکنالوجی کا مقابلہ صرف اور صرف سائنس و ٹکنالوجی ہی سے کیا جا سکتا ہے... انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ اس فلسفے کے استرداد کا قرآنی ثبوت ہے ۔ یہاں لفظ ''صرف'' پر غور کرنے کی ضرورت ہے، عقلی علوم فرضِ کفایہ کے درجے میں ہیں، اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق ان کا حصول لازم ہے لیکن اس کا مطلب اِن علوم کے حصول تک جدوجہد کو ملتوی کرنا نہیں جو صرف اور صرف کفار کی دسترس میں ہیں، خفیہ ہیں وہ ہمیں یہ علوم دینے پر آمادہ بھی نہیں اور ہم چوری کے ذریعے ان علوم کی تحصیل کرنے میں بھی ناکام ہیں۔

ٹیکنو سائنس کے علوم اگر چوری بھی کر لیے جائیں تو ان کو پیکرِ مادی میں ڈھالنے کے لیے جو ادارے، آلات، ڈھانچے اور سانچے درکار ہیں اس کے لیے جس ادارتی صف بندی اور وسائل کی فراوانی کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ان چوری شدہ انکشافات و ایجادات کو روبہ عمل لانا محال ہے ...اب ایک محال شے کے انتظار میں امت اپنے فرائض دینیہ کیا صبحِ محشر تک معطل رکھ سکتی ہے؟

مغرب و مشرق کے عروج و زوال کے فلسفے کی راکھ سے انیسویں اور بیسویں صدی کی ''مسلم جدیدیت'' کا آغاز ہوا۔ مسلم جدیدیت کے نقطۂ نظر کے پس پشت خلافتِ ارضی کے زوال کا زیرِ لب مرثیہ ہے۔ زوال کی موجِ خوں سر سے گزر گئی اور مسلمان قوت، طاقت اور حاکمیت سے محروم کر دیے گئے، لہٰذا عروج کے لیے طاقت، علم، قوت، سائنس مغرب کا طریقہ علم و زندگی ، مغربی آدرش، اقتدار اور استخلاف فی الارض ہی اصل اہداف ٹھہرے۔

حیرت انگیز طور پر تمام قوم پرست، جدید بنیاد پرست، سیاسیاحیائی تحریکوں، جدیدیت پسند طبقات اور روایت پسند مفکرین کے یہاں عروج اور اقتدار کی زیریں لہریں مشترک ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا زوال اس وجہ سے ہوا کہ وہ عقلی علم و ہنر فنون میں اور تسخیرِ کائنات میں پیچھے رہ گئے۔ مغرب نے ان میدانوں میں سبقت حاصل کی۔

عروج و زوال سے متعلق گزشتہ دو سو برس کے تجزیوں میں متفقہ تجزیہ یہی ہے کہ جدید عقلی علوم کے ذریعے ہی اسلام کا غلبہ قائم ہو گا، اس کے سوا کامیابی اور کامرانی کا کوئی راستہ نہیں ہے، یہ رویہ خالصتاً غلامانہ سوچ کا آئینہ دار ہے۔ اگر مغرب کے راستے کو کاملاً اختیار کر لیا جائے تو مشرق مغرب بن جائے گا مگر روحانی اور اخلاقی طور پر مغرب سے بدتر ہو گا۔

غلبے کی تشخیص اور تجزیے میں ایمان، روحانیت، اعمالِ صالحہ، تبلیغ اور دعوتِ دین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے اندلس میں زبردست مادّی ترقی کی لیکن روحانی طور پر وہ غیر مسلموں کو متاثر نہ کرسکے لہٰذا ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ اندلس یورپ میں اسلام کی اشاعت نہ کرسکا۔ اندلس کی مادی ترقی، سائنس، فلسفہ، فنِ تعمیرات کا تاریخ میں ذکر ضرور ہے لیکن یہ مادیت 'یورپ میں اسلام کے اثر و نفوذ کے لیے کوئی کردار ادا نہ کرسکی، یہ مادی ترقی تو مسلمانوں کو تباہی سے بھی نہ بچا سکی۔

ایمان ایک قلبی کیفیت ہے جو روحانی واردات سے متاثر ہوتی ہے۔ مادی مظاہر سے دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی کو ایمان و عقیدے کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ اس لیے آثار قدیمہ، تعمیرات، تہذیب و تمدن سے متعلق کتابوں میں اندلس اور ہندوستان کا بہت ذکر ملتا ہے۔ مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذکر نہیں ملتا...جب کہ روحانیت کا اصل سرچشمہ آج بھی مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے! عالم انبیاء کی صرف دو عمارتیں ان کے عظیم الشان عقلی علوم کی یاد دلاتی ہے خانہ کعبہ اور وہ حجرۂ نبوی جہاں ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم صبحِ محشر تک آرام فرما ہیں...ہماری تاریخ میں مادیت کے یہی دو نشان نمایاں ہیں۔

اس لیے تمام جدیدیت پسند حسین نصر، قرضاوی وغیر ھم مدینہ منورہ کے بجائے اندلس کو مثالی ریاست کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ اور مغلیہ سلطنت نے اپنے زیرِ تسلط علاقوں میں اسلام کی دعوت کو عام کرنے اور دائرہ اسلام کو وسیع کرنے پر کوئی توجہ نہ دی۔ یہ تمام سلطنتیں مادی طور پر بہت مستحکم سلطنتیں رہیں۔ لیکن رعایا پر یہ روحانی برتری قائم نہ کرسکیں۔ انھوں نے زمین مسخر کرلی، دل مسخر نہ کرسکے۔ لہٰذا یورپ و امریکہ، روس اور وسط ایشیا، ہندوستان اور چین دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوسکے، اسلامی سلطنت، خلافت، ریاست، حکومت کا اصل مقصد تسخیر قلوبِ انسانی کے ذریعے دنیا کے ہر شخص کو جنت میں داخلے کا اہل بنانا ہے نہ کہ تسخیر فی الارض ع جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ دعوت سے اغماض ہی اسلامی ریاستوں اور خلافت کی ناکامی تھا لیکن عروج و زوال کی تمام قدیم و جدید بحثوں میں اس بحث کا ذکر نہیں۔

عروج و زوال کی بحث کرنے والے مفکرین اپنے تجزیوں میں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ خلافت عباسیہ جو ٹیکنالوجی میں منگولوں اور تاتاریوں سے برتر تھی اور تہذیب و تمدن میں اس کا ان سے کوئی مقابلہ نہ تھا آخر کیسے شکست کھا گئی؟ ایک غالب اور برتر تہذیب وحشیوں کی یلغار کا سامنا کیوں نہ کرسکی؟ یہ مفکرین یہ بھی نہیں بتاسکتے کہ شکست خوردہ اسلامی تہذیب صرف پچاس سال کے عرصے میں بغیر کسی مادی ترقی کے دوبارہ کیسے غالب آگئی اور وہ کون سی سائنس، ٹکنالوجی، علوم اور فلسفے تھے جس نے چنگیز کے پوتے برکائی [یا زیادہ مشہور برکہ خان] کو قبولیتِ اسلام کے لیے آمادہ کیا اور طاقت کا توازن آناً فاناً تبدیل ہوگیا۔ اس سوال پر بھی غور نہیں کیا جاتا کہ ترکوں کا سیلاب ویانا میں کیوں داخل نہ ہوسکا جب کہ یورپی حکمران ٹیکنالوجی اور سائنس میں خلافتِ عثمانیہ کے مقابلے میں برتری کے حامل نہیں تھے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت اور ریاستیں انگریزوں سے کیوں شکست کھا گئیں جب کہ اس وقت عسکری سطح پر دونوں گروہوں کے پاس کم و بیش توازنِ طاقت برابر تھا۔ پورے ہندوستان کو فتح کرنے والی انگریزی فوج کی تعداد صرف چند ہزار تھی۔ لیکن ہندوستان کیوں کر سرنگوں ہوگیا۔

لہٰذا مسئلہ صرف فنون، علوم، سائنس اور ٹیکنالوجی کا نہیں ہے، مسئلہ اس سے بڑھ کر گھمبیر ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان اہم تاریخی مباحث کو یہ مفکرین دانستہ نظر انداز کرکے زوال کے سطحی تجزیے پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں زوال گھمبیر ہوتا جارہا ہے۔ ترکی، مصر، ملیشیا نے مغربی تہذیب اور تعلیم و ثقافت کو اختیار کرلیا تو وہاں کیا انقلاب برپا ہوا؟ ایک انقلاب تو ہر شخص کو نظر آرہا ہے کہ اسلامی عصبیت، روایت، معاشرت ان خطوں میں مسلسل کمزور ہورہی ہے اور مغربی ثقافت تہذیب اور معاشرت کو فروغ حاصل ہورہا ہے۔ ترکی کے مسلم وزیرِ اعظم کی اہلیہ اور امریکہ کی خاتون وزیر خارجہ کے لباس میں ہمیں سوائے حجاب کے کوئی فرق نظر نہیں آتا، دونوں کا مردوں کے مابین مسکراتے ہوئے تصویر کھنچوانا، عالمی قدر تسلیم کرتے ہیں۔ سرسید کی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا خواب پورا ہوگیا لیکن اس جامعہ کے ذریعے کیا عروج کا وہ سفر طے ہوگیا جس کی آرزو کی گئی تھی ؟ اس جامعہ سے شائع ہونے والی کتنی کتابیں آج دنیا بھر کی جامعات میں پڑھائی جارہی ہیں؟ کتنے سائنس دان فلسفی اور مفکرین جامعہ ازہر، جامعہ علی گڑھ سے نکلے جنہیں عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا؟

جدیدیت پسندوں کے یہاں ایک لہر مغربی علومِ عقلیہ سائنس و سوشل سائنس کو عروج کا ذریعہ سمجھتی ہے، دوسری لہر صرف جدید سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی کو اور تیسری لہر مغربی علوم کے ساتھ ساتھ مغربی ثقافت کو۔ ان تینوں لہروں میں ایک اندرونی غیر محسوس ادغام دنیا پر مادی غلبے اور بالادستی کا تصور ہے، جدیدیت پسندوں کے یہاں یہ بالادستی دعوت ایمان، قلوب کی تسخیر، دین کے لیے محنت، پیغامِ محبت، عملِ صالح، اتحاد، اجماع اور جہاد کے مراحل کے فلسفے کے بغیر صرف سائنسی علم اور معیشت کی طاقت پر اصرار کرتی ہے۔ طاقت کے مختلف مظاہر اسی حکمت عملی کا شاخسانہ ہیں۔

کیا عروج صرف سائنس کے ذریعے اور مادی ترقیات کے بغیر نہیں مل سکتا؟ کیا فتح کا واحد راستہ جنگ، پیسہ، علم ہے؟ کیا فریق مخالف کو سرنگوں کیے بغیر فتح کا کوئی امکان نہیں؟ اس تاریخی مغالطے کی تشریح جدیدیت پسندوں اور احیائی تحریکوں میں بنیادی نوعیت کے نظریاتی فرق کے باوجود یکساں ہے۔ دونوں کے یہاں اقتدار، حکومت، غلبہ، تسلط، تمکن و استخلاف فی الارض، علوم عقلیہ طاقت، علم، سائنسی ترقی کے بغیر مسلمانوں کے غلبے کا واضح شعور اور تصور نہیں ملتا۔ غلبے کے تمام ذرائع صرف مادیت اور اکثریت کے فلسفے پر انحصار کرتے ہیں۔ اس طرح جدیدیت پسند اور دیگر طبقات کا نقطۂ نظر اُمت سے سمٹ کر قوم پرستی کے دائرے میں آجاتا ہے کہ ایک قوم کو ہٹا کر دوسری قوم کو بام عروج پر لایا جائے۔ قومیت، عالمگیریت اور آفاقیت کی نفی کرتی ہے، اور زمان و مکان میں محصور ہوتی ہے جب کہ اسلام قومیت کی نفی کرکے امت کی تشکیل کرتا ہے کیونکہ

"گھر اس کا بخارا نہ بدخشاں نہ سمرقند"

امت عالمگیر ہے، اسی لیے اسلام کی دعوت بھی عالمگیر ہے، امت کی بنیاد محبت پر ہوتی ہے قومیت کی بنیاد محبت نہیں نفرت ہوتی ہے۔ لیکن احیائی تحریکیں بہر حال راسخ العقیدہ دین سے مخلص، اپنے افکار میں واضح اور امت سے وابستہ ہیں اور ان ماخذاتِ دین پر یقین رکھتی ہیں جس پر تعاملِ امت اور اجماعِ امت ہے۔ قدیم اور جدید راسخ العقیدہ اور جدیدیت پسند مفکرین کے یہاں اس بات کا کوئی ادراک نہیں ہے کہ سلطنت روما کو عیسائیت نے ٹکنالوجی کے بل پر شکست نہیں دی، روما جیسی عظیم الشان سلطنت فتح کرنے والے گدھوں پر سوار تھے، حملہ آوروں کی دعوت نے قلوب مسخر کر لیے تھے۔ روس کو امریکہ نے عسکری میدان میں شکست نہیں دی بلکہ روسی عوام کا نظریہ زندگی بدل دیا، انھیں لبرل بنا دیا گیا۔ یہ جنگ' میدان جنگ میں نہیں عقیدہ اور نظریہ کی تبدیلی کے ذریعے کی گئی۔

یہی صورت حال چین کے ساتھ درپیش ہے، سرمایہ دارانہ نظام کے باعث چین کا تشخص ختم ہو گیا ہے وہ نظریاتی اساس کھو بیٹھا ہے۔ چین اور روس مارکس ازم کی مابعد الطبیعیاتی اساس پر کھڑے تھے جہاں لذت و تمتع فی الارض مارکس کی یوٹوپیائی کمیونسٹ جمہوریہ کا مقصدِ حقیقی تھا۔ لبرل ازم اور سوشلزم و کمیونزم میں لذتوں اور مادہ پرستی کے حصول کے طریقوں میں اختلاف رہا، لبرل اسے مارکیٹ کے ذریعے سریع الحصول سمجھتے تھے جب کہ دوسروں کا خیال تھا کہ یہ پلاننگ کے ذریعے موثر رہے گا۔ ایک فرد کے لیے لذتوں کے حصول کا اس کی اہلیت و صلاحیت [Effeciency Principle] کے مطابق قائل تھا دوسرا لذتوں کا حصول ریاست کی سرپرستی، نئی مساوات کے اصول کے تحت قائل تھا کہ ہر فرد یکساں اہلیت نہیں رکھتا، لہٰذا لذتوں کا حصول مارکیٹ میکانزم کے ذریعے ہر فرد کے لیے یکساں طور پر ممکن نہیں۔ اسے محض ریاست ہی ممکن بنا سکتی ہے...

لیکن جب یہی مقصد لبرل کارپوریٹ ملٹی نیشنل سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے مغرب، یورپ اور امریکہ میں زیادہ شاندار اور سرعت پذیر طریقے سے بار آور ہو گیا تو کمیونزم کی خیالی جنت کے حصول کے لیے انتظار کے لمحات سخت ناگوار ہو گئے اور روس و چین لبرل سرمایہ داری سے واصل ہو گئے۔

عروج وزوال کا اسلامی تصور:

دلوں کو فتح کرنا ہی عروج ہے! اگر ساری کائنات تسخیر ہو جائے اور فتح بھی ہو جائے لیکن کسی ایک فرد کا دل نہ بدلے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو تو یہ عروج نہیں زوال ہے! یہ عروج طاقت سے نہیں، محبت کی کیفیت سے عطا ہوتا ہے۔ خلق سے محبت ایسی محبت جو مدعو کو فتح کرلے یہ فتح دائمی ہوتی ہے۔ جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتحِ زمانہ بھی ہے اور فاتحِ آخرت بھی۔

المیہ یہ ہے کہ عباسی عہد کے آغاز سے اس امت نے دعوت کا کام ترک کر دیا۔ قوت و شوکت کے مظاہرے' دین کی اصل روح پر غالب آگئے اور امت' قومیت میں تبدیل ہو گئی۔ اس قومیت کے مظاہر ہندوستان کی مختلف تحریکوں میں اور جمال الدین افغانی کی تحریک میں خاص طور پر نظر آتے ہیں۔ امت پہلے مسلم قومیت بنی پھر قومیت کے شجر خبیث نے اسے ترکی، عربی، ہندی، ایرانی کر دیا۔ قومیتیں وجود پذیر ہوئیں پھر سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا، اس کے بعد پنجابی، پشتو، بلوچ قومیتیں بر آمد ہوئیں، قومیت شاخ در شاخ پھوٹتی چلی جاتی ہیں اور امت تحلیل ہو جاتی ہے۔

امت سے قومیت کا سفر دراصل زوال اور انحطاط کا سفر ہے۔ جب دریا قطرہ اور صحرا' ذرہ بن جائے تو عروج قصہ' پارینہ بن جاتا ہے۔ قوم پرستی کی تحریک ایک خاص قوم اور خاص زماں و مکاں کے لیے ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ تحریکیں عموماً خاص علاقائی، لسانیاتی، نسلی، وطنی اور مقامی گروہ کے مخصوص محدود مفادات کا تحفظ کرتی ہیں اور امت کے بجائے قوم کی ترجمانی کرتی ہیں۔ عباسی عہد سے لے کر آج تک پوری دنیا کی اسلامی تاریخ میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس نے غیر مسلموں میں دعوت دین اور تبلیغ کو اپنی تحریک کا اصل ہدف قرار دیا ہو۔ اس وقت دنیا بھر میں کام کرنے والی تمام تحریکیں یا تو مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کی تحریکیں ہیں یا محض اصلاح اور احیاء کی تحریکیں ہیں۔

☆☆☆☆☆